ہمارے
قائدِ اعظمؒ

ہمارے قائد اعظم

مؤلف : مطلوب الحسن سیّد

(سابق پرائیویٹ سکریٹری قائد اعظم)

قائد اعظم کی ولولہ انگیز زندگی کی کہانی

قائد اعظم کے تدبر، فراست اور قیادت کی جرأت آموز داستان

قائد اعظم کی نایاب تصویروں کا نادر مرقع

— جسے بچے شوق سے دیکھیں اور پڑھیں گے۔

— جسے بڑی حفاظت سے رکھیں گے اور اپنی آئندہ نسلوں کو یادگار تحفے کے طور پر پیش کریں گے۔

نیشنل بُک فاؤنڈیشن

کراچی ـــ اسلام آباد ـــ لاہور ـــ پشاور ـــ کوئٹہ

پہلی اشاعت ۱۹۷۵ء

قیمت : دو روپے

ناشر : نیشنل بُک فاؤنڈیشن

کراچی ۔ اسلام آباد ۔ لاہور ۔ پشاور ۔ کوئٹہ

طابع : زین پیکیجنگ انڈسٹریز لمیٹڈ ۔ کراچی

فہرست

اورنگ زیب کے زمانے میں مسلمانوں کی حکومت ۔

مسلمانوں کی حکومت کا آغاز

یوں تو آٹھویں صدی عیسوی کے شروع ہی سے برعظیم کے کئی حصوں پر مسلمان حکومت کرتے آئے تھے ۔ مگر ایک مستقل حکومت کی بنیاد سلطان شہاب الدین محمد غوری نے بارھویں صدی عیسوی کے آخری دس برس میں رکھی ۔ ۱۱۹۲ء میں اس نے تراوڑی کے میدان میں (جسے اس زمانے میں ترائن کہتے تھے) اجمیر کے راجہ پرتھوی راج عرف رائے پتھورا کو شکست دی ۔ پھر دلی ، قنوج اور بنارس کو فتح کیا ۔ اور دلی کو ہندوستان میں اپنا دارالحکومت بنا کر، یہاں اپنے ایک غلام قطب الدین ایبک کو اپنا نائب بنا کر چھوڑ گیا ۔ اس طرح اس برعظیم میں مسلمانوں کی ایک مستقل حکومت کی بنیاد پڑ گئی۔

بعد میں کئی مسلمان خاندانوں نے یہاں حکومت کی۔ اس کے بعد وہ مسلمان خاندان جس نے اس سارے برعظیم پر حکومت کا نظام قائم کیا ، وہ مغلوں کا خاندان تھا۔ مغل سلطنت کا بانی ظہیرالدین بابر تھا۔ اس نے ۱۵۲۶ء میں پانی پت کے میدان میں ابراہیم لودھی کو شکست دی ۔ ایک سال بعد چتوڑ کے راجہ سنگھرام سنگھ عرف رانا سانگا پر فتح پائی ۔ اس طرح ہندوستان میں مغل سلطنت قائم ہوگئی ۔ تین سال بعد بابر نے وفات پائی ۔

مغلوں کے بعد

مغل خاندان تین سو سال سے زیادہ عرصے ہندوستان پر حاکم رہا۔ لیکن چھ پشت بعد مغلوں کی طاقت کم ہونے لگی، اور انیسویں صدی کے وسط تک انگریزوں نے ، جو شروع میں تجارت

کے لئے ہندوستان آئے تھے ، اس ملک پر اپنا قبضہ مضبوطی سے جما لیا ۔ اس قبضے کو توڑنے کے لئے مسلمانوں نے کئی بار کوشش کی جس کی رہنمائی اپنے اپنے وقت میں شاہ ولی اللہ ، شاہ عبدالعزیز شاہ ، شاہ اسمٰعیل شہید اور سید احمد شہید بریلوی نے کی ۔ ١٨٥٧ء میں مسلمانوں نے اپنا اقتدار واپس لانے اور مغل بادشاہ کو دوبارہ دھلی کے تخت پر بٹھانے کی پوری کوشش کی لیکن یہ تحریک جلد ھی رہنماؤں کے ھاتھوں سے نکل کر عوام کے ھاتھوں میں چلی گئی اور کچھ اس طرح بٹ گئی اور بکھر گئی کہ اس میں کوئی ترتیب اور تنظیم باقی نہ رہ سکی اور اس طرح یہ کوشش ناکام ہو گئی۔ چونکہ اس جد و جہد میں انگریزی فوج کے کچھ ہندوستانی سپاھی بھی شریک تھے اس لئے انگریزوں نے اسے غدر کا نام دیا ۔ اس جد و جہد میں زیادہ تر سپاھی مسلمان تھے ۔

انگریزی حکومت

اس عظیم جد و جہد کی ناکامی کے بعد انگریزوں کی طاقت اور بھی بڑھ گئی ۔ بدلہ لینے کے لئے انہوں نے مسلمانوں پر ظلم و ستم کی بھر مار کر دی۔ انہیں شک کی نظر سے دیکھا جانے لگا ۔ لیکن تھوڑے عرصے بعد سر سید احمد خان کی کوشش سے ان مظالم کو ایک حد تک روکا جا سکا ۔ ١٨٥٧ء کی جد و جہد سے انگریزوں پر یہ بات کھل گئی تھی کہ انہوں نے صورت حال پر قابو تو پا لیا مگر مسلمان اپنے ملک میں انہیں چین سے نہ بیٹھنے دیں گے۔ اور پھر یہ بات بھی تھی کہ مٹھی بھر افسر اور سپاھی جو انگریزوں کے ساتھ آئے تھے ان سے اتنے بڑے ملک پر قبضہ رکھنا مشکل تھا ۔ چنانچہ انگریزوں نے یہ ترکیب سوچی کہ چھوٹی چھوٹی نوکریاں دے کر یہاں کے باشندوں کو بہلایا جائے اور اس طرح ان سے کام لیا جائے ۔

مسلمانوں کی خودداری

مسلمانوں نے کافی عرصے تک انگریزوں کا ساتھ نہیں دیا ۔ مگر ہندو انگریزوں کے ساتھ مل گئے ۔ پینتیس برس بعد جب حکومت برطانیہ نے ١٨٩٢ء میں یہ طے کیا کہ یہاں آھستہ آھستہ حکومت کا ایک ایسا نظام قائم کیا جائے جس کی رو سے ھندوستانی باشندے قانونی معاملات میں صوبائی حکومتوں کو مشورہ دے سکیں تو مسلمانوں کی آنکھیں کھلیں اور انہوں نے دیکھا کہ ھندو تو پہلے ھی سے انگریزوں سے کافی گھل مل چکے ھیں اس لئے برطانوی فیصلے کا سارا فائدہ انہی کو پہنچے گا۔ ایک بات اور بھی تھی کہ مسلمان کئی صدیوں تک ھندوؤں پر حکومت کر چکے تھے۔ اس لئے یہ یقینی تھا کہ ھندو بھی مسلمانوں سے بدلہ لینے کی کوشش کریں گے۔ اس خطرے کو مسلمانوں کے رہنماؤں نے بھانپ لیا ان میں سر سید احمد خان سب سے آگے تھے ۔ انہوں نے مسلمانوں پر حکومت سے تعاون کرنے کے لئے زور دیا کہ اس طرح وہ اپنے حق کے مطابق زیادہ سے زیادہ سرکاری نوکریاں حاصل کریں۔ برعظیم کے مسلمانوں کو یوں ایک سیاسی جنگ دو طرف لڑنی پڑی ۔ ایک طرف ان کا مقابلہ انگریزوں سے تھا اور دوسری طرف ھندوؤں سے ۔

لندن کا سفر

۱۸۹۲ء ھی میں ھندوستان سے ایک دبلا پتلا، لمبے قد کا خوبصورت مسلمان نوجوان قانون کی تعلیم پانے انگلستان گیا۔ اس وقت اس کی عمر سترہ سال تھی۔ اس زمانے میں باھر کے ملکوں میں تعلیم حاصل کرنے کا موقع گنتی کے چند ھی لوگوں کو نصیب ھوتا تھا۔ لیکن اس نوجوان کی غیر معمولی قابلیت نے ان کے والدین اور دوستوں پر اتنا اثر کیا تھا کہ سب کی رائے یہی ھوئی کہ اسے چھوٹی عمر ھی میں اعلیٰ تعلیم کے لئے انگلستان بھیج دیا جائے۔ اس لڑکے کا نام محمد علی تھا جو آئندہ چل کر ھم سب کا قائد اعظم بنا اور جس نے ھم سب کے لئے پاکستان بنایا۔ یہ سفر محمد علی نے سمندری جہاز سے طے کیا۔ وہ انگلستان پہنچتے ھی داخلے کے امتحان کی تیاری میں لگ گئے۔ یہ امتحان اس زمانے میں ھندوستان سے جانے والے ھر طالب علم کو دینا پڑتا تھا۔ اور اس میں کامیاب ھونے ھی پر اسے داخلہ ملتا تھا۔ محمد علی نے یہ امتحان ایک ھی سال میں پاس کرلیا اور قانون کی تعلیم کے ایک مشہور ادارے "لنکنز ان" میں داخلہ لے لیا۔ محمد علی نے اس میں کیوں داخلہ لیا، اس سے ان کے ذھن کی اٹھان کا پتہ چلتا ھے۔

"لنکنزان" کے بڑے ھال میں ان عظیم ھستیوں کے نام کھدے ھوئے تھے جنھوں نے بنی نوع انسان کو قانون دیا اور سکھایا۔ اس فہرست میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مبارک نام بھی تھا۔ محمد علی نے بس اسی ادارے کو اپنے لئے پسند کیا۔

بچپن

محمد علی جناح ایک شریف خوجہ خاندان کے بیٹے تھے۔ وہ کراچی میں پیدا ھوئے۔ ان کے والد جناح بھائی پونجا بھائی اپنے والد یعنی محمد علی کے دادا میگھ جی کے ساتھ راجکوٹ کاٹھیاواڑ کے ایک گاؤں پنیلی سے آ کر کراچی میں بس گئے تھے۔ محمد علی کی والدہ کا نام میٹھی بائی تھا۔ محمد علی کے دو بھائی اور چار بہنیں تھیں۔ وہ ان میں سب سے بڑے تھے۔ یہ کنبہ کراچی کے ایک محلے کھارادر میں رھتا تھا۔ جناح بھائی خاصے امیر تاجر تھے اور اپنے بھائی والجی پونجا کے ساتھ کاروبار کرتے تھے۔

کھارادر کی گلیاں اگر بول سکتیں تو ھمیں بتاتیں کہ محمد علی کو بچپن میں پتنگ اڑانے کا شوق تھا۔ وہ اپنے ھم سن ساتھیوں کے ساتھ صرف ایسا

وزیر مینشن جہاں قائد اعظم پیدا ھوئے۔
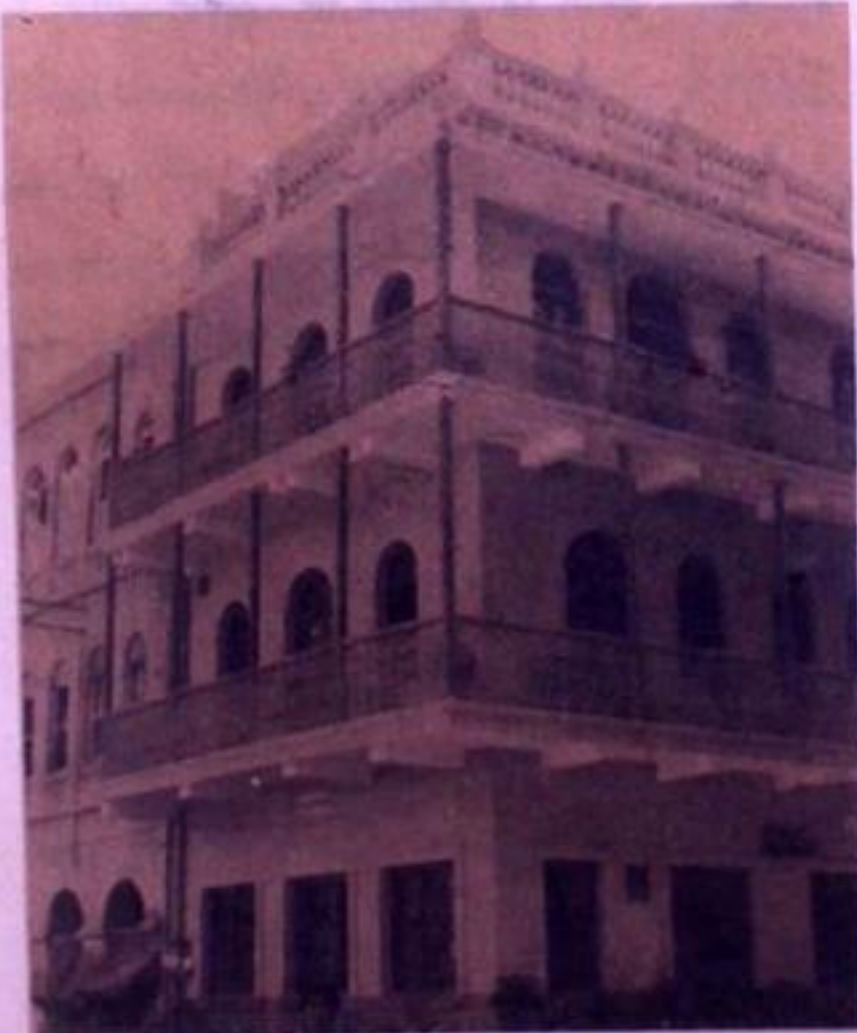
کھیل کھیلا کرتے تھے جس میں کپڑے میلے ہونے کا ڈر نہ ہو۔ انہیں شروع ہی سے اپنی پوشاک کی صفائی کا خاص خیال رہتا تھا۔ ان کو مٹی کے گھروندے بنانا یا ننگے پاؤں گیڑیاں کھیلنا بالکل پسند نہیں تھا۔ پتنگ بازی کا ایک واقعہ محمد علی جناح کو ہمیشہ یاد رہا۔ بچپن میں ایک دن وہ پتنگ اڑا رہے تھے کہ کسی شریر لڑکے نے نیچے سے ڈور کاٹ دی محمد علی کی نظریں پتنگ پر تھیں اور ان کو ڈور کے کٹنے کی خبر نہ ہوئی چنانچہ جب انہوں نے پتنگ کو ڈھیل دی تو ڈور ختم ہوگئی اور اس طرح پتنگ ہاتھ سے چھوٹ گئی۔ محمد علی نے اس واقعے سے ایک بڑا سبق سیکھا اور وہ یہ کہ جب آنکھیں آسمان کی طرف ہوں تو زمین سے غافل نہیں ہونا چاہیئے۔ سیاسی معاملوں میں جب ان کے مخالف اس قسم کے شوشے چھوڑتے تھے کہ تمام ملک کے لوگوں کی نظریں اسی طرف لگ جائیں اور درپیش حالات کی طرف سے ان کی توجہ ہٹ جائے تو محمد علی جناح کہا کرتے تھے کہ یہ تو پتنگ اڑائی جارہی ہے۔ جب کبھی ہندوؤں کی کوئی تحریک ناکام ہوتی تھی اور ان کے لیڈر بھوک ہڑتال یا چرخے کی تحریک چلاتے تھے تو قائد اعظم، مجھ سے اکثر مذاق میں کہا کرتے تھے کہ دیکھو پتنگ بازی شروع ہوگئی۔

ابتدائی تعلیم

کوئی آٹھ برس کی عمر میں محمد علی محلّے کے اسکول میں گجراتی کی پہلی جماعت میں داخل ہوئے اور وہاں سے چار سال میں چار جماعتیں پاس کیں۔ ۸ جولائی ۱۸۸۷ء کو سندھ مدرستہ الاسلام کی انگریزی کی پہلی جماعت میں داخلے ہوئے۔ اس سال کے داخلے کے رجسٹر میں ان کا نام

سندھ مدرستہ الاسلام میں قائد اعظم نے ابتدائی تعلیم حاصل کی۔

چرچ مشن اسکول۔

محمد علی جناح بھائی اور ان کی عمر چودہ سال لکھی ہے۔ جس سے یہ خیال ہوتا ہے کہ گجراتی کی پہلی جماعت میں وہ دس برس کے ہوں گے لیکن یہ عمر غلط ہے۔

تھوڑے ہی دن بعد بمبئی جا کر انجمن اسلام کی پہلی جماعت میں داخل ہوگئے لیکن پھر چند ماہ بعد کراچی واپس آ کر سندھ مدرسہ کی پہلی ہی جماعت میں ۲۳ دسمبر کو پڑھائی شروع کی۔ اس دفعہ ان کی تاریخ پیدائش ۲۰ اکتوبر ۱۸۷۵ء لکھی گئی۔ یہ غالباً صحیح تاریخ ہے۔ لندن کے "لنکنز ان" کے رجسٹر میں ۱۸۹۳ء میں ان کی عمر انیس سال لکھی گئی ہے۔ اس سے ان کی تاریخ پیدائش کے بارے میں پھر شک پڑجاتا ہے۔ لیکن ان کی زندگی ہی میں ان کی پیدائش کی تاریخ ۲۵ دسمبر ۱۸۷۶ء قرار دی گئی تھی اور اسی کے مطابق ہم سب ہر سال ۲۵ دسمبر کو ہی ان کی سالگرہ مناتے تھے اور اب بھی مناتے ہیں۔

بمبئی چلے جانے سے غالباً محمد علی کا ایک سال ضائع ہوگیا۔ لیکن اس کے بعد انہوں نے تین سال مسلسل تعلیم حاصل کرکے ۱۸۹۰ء میں تیسری جماعت پاس کرلی۔ اسکول کے رجسٹر سے پھر پتہ چلتا ہے کہ ۵ جنوری ۱۸۹۱ء کو محمد علی کا نام مسلسل غیر حاضری کی وجہ سے کاٹ دیا گیا۔ یہ غیر حاضری کیوں تھی، یہ ابھی تک معلوم نہیں ہوسکا۔ ہو سکتا ہے کہ اس دوران میں محمد علی نے گھر پر لکھنا پڑھنا جاری رکھا ہو، کیونکہ اگلے ہی مہینے میں یعنی ۹ فروری کو اسکول میں دوبارہ داخل ہو کر چند ہفتے بعد چوتھی جماعت بھی پاس کرلی۔ شاید انہی ایام میں محمد علی کو ولایت بھیجنے کا فیصلہ کیا گیا، کیونکہ ۵ جنوری ۱۸۹۲ء کو انہوں نے اسکول چھوڑ دیا جبکہ وہ پانچویں جماعت میں تھے۔ اسکول چھوڑنے کی وجہ شادی تھی جیسا کہ اسکول کے رجسٹر میں لکھا ہوا ہے۔

شادی

اس زمانے میں شادی اکثر چھوٹی عمر میں کردی جاتی تھی۔ اور مائیں اپنے لڑکوں کو ولایت بھیجنے سے پہلے ان کی شادی تو ضرور کردیا کرتی تھیں۔ اسکول چھوڑنے کے فوراً ہی بعد محمد علی کے والد جناح بھائی پونجا بھائی اپنی بیوی اور بڑے بیٹے کو لے کر اپنے آبائی گاؤں پنیلی چلے گئے اور وہاں اپنی ہی ایک رشتہ دار

امر بائی سے محمد علی جناح بھائی کی شادی کر دی ۔ یہ خاتون سیرا کھیم جی کی بیٹی تھی ۔

شادی کے بعد کراچی واپس آنے پر معلوم ہوا کہ پانچویں جماعت کے امتحان ہو چکے ہیں ۔ اب مدرستہ الاسلام میں داخلہ لینے سے محمد علی کا ایک سال اور ضائع ہو جاتا ۔ چنانچہ چرچ مشن اسکول میں داخلے کی کوشش کی گئی ، جس کے لئے اس طالب علم کو یہاں کے معیار پر پورا اترنے کے لئے امتحان پاس کرنا پڑا ۔ یہاں چھٹی جماعت میں داخلہ ملا ۔ لیکن محمد علی اس کا امتحان نہ دے پائے اور ۳۱ اکتوبر ۱۸۹۲ء کو لندن جانے کے لئے اسکول چھوڑ دیا ۔

نئے ملک میں

محمد علی جناح لندن پہنچے تو سخت سردی تھی اور ماحول بھی اجنبی، وہ اپنا خاندانی لباس پہنے ہوئے تھے ۔ ایک لمبا اور ڈھیلا ڈھالا کوٹ جسے ڈُگلا کہتے ہیں ۔ اس کا رنگ پیلا تھا ۔ انگلستان والوں کے لئے یہ لباس بالکل انوکھا تھا ۔ اس وجہ سے ان کے ساتھی ان کا مذاق اڑایا کرتے تھے ۔ آہستہ آہستہ انہوں نے مغربی لباس اختیار کر لیا ۔ یہاں تک کہ ساری زندگی خود انگریز اور ان کے زمانے کے ہندوستانی، ان کے انگریزی لباس کی تعریف کرتے رہے وہ بہترین لباس پہننے والے ہندوستانیوں میں شمار ہوتے تھے۔

لندن میں ان کو اپنی بیوی اور ماں کی وفات کی خبر ملی، جس کا انہیں بہت رنج ہوا۔ اسی اثنا میں ان کو یہ بھی پتہ چلا کہ ان کے والد کو تجارت میں بہت نقصان ہوا ہے ۔ کہا جاتا ہے کہ ان کے والد محترم نے چرچ مشن اسکول میں استاد کی حیثیت سے ملازمت کرلی تھی ۔

''لنکنزا ن،، کے داخلے کا امتحان محمد علی نے ۳۱ مئی ۱۸۹۳ء کو پاس کیا اور ۵ جون کو داخل ہوئے ۔ اس ادارے میں ان کا نام محمد علی جناح بھائی لکھا گیا لیکن تعلیم کے اختتام پر انہوں نے اس درسگاہ کی کونسل سے درخواست کی کہ میں اپنا نام صرف محمد علی لکھنا چاہتا ہوں ۔ یہ درخواست ۱۴ اپریل ۱۸۹۶ء کو منظور ہوئی ۔ اور ۲۸ اپریل کو انگلستان کی روایت کے مطابق ان کے ''بار ایٹ لا،، ہونے کا اعلان کر دیا گیا ۔

قائد اعظم بہت عرصہ تک خوجہ جماعت کے سربراہوں میں بھی تھے اور تقریبوں میں وہ روایتی لباس بھی پہنتے تھے ۔ یہ لباس ان پر بہت سجتا تھا وہ بہت خوش پوش تھے ۔

سیاسی دلچسپی

انگلستان میں شروع ہی سے محمد علی جناح اپنے ملک کی سیاست میں دلچسپی لینے لگے۔ چند مہینے بعد ہی وہاں کی پارلیمنٹ کا انتخاب ہوا جس میں دادا بھائی نوروجی ایک نشست کے لئے کھڑے ہوئے۔ یہ ہندوستان کے ایک ممتاز لیڈر تھے اور پارسی فرقے سے تعلق رکھتے تھے۔ ان کو ''ہندوستان کا عظیم بزرگ،، کے لقب سے یاد کیا جاتا تھا۔ وہاں انہوں نے ہندوستانی طلبا کے لئے ایک انجمن بھی قائم کی تھی۔ ان کے الیکشن میں طلبا نے پرجوش حصّہ لیا اور ان میں سے کئی نے سیاسی تقریریں بھی کیں۔

اس انتخاب کا ایک دلچسپ واقعہ یہ ہے کہ ملکہ وکٹوریہ کے مقبول وزیر اعظم لارڈ سالسبری نے نوروجی کو ایک مرتبہ ''کالا آدمی،، کہہ دیا۔ یہ بات انگلستان کے باشندوں کو بھی ناگوار گزری اور اس کو نسلی تعصب قرار دیا گیا۔ خصوصاً اس وجہ سے کہ نوروجی کا رنگ سالسبری کے رنگ سے زیادہ گورا تھا۔ لہذا نہ صرف نوروجی منتخب ہو گئے بلکہ ہندوستانی طلبا نے اس کا بہت گہرا اثر لیا۔ محمد علی جناح کے دماغ میں تو خودداری اور اپنے ملک کی سیاسی آزادی کی خواہش جنون کی حد تک پیدا ہوگئی۔ ان کو یہ بھی خیال ہوا کہ وکالت کے پیشے کے علاوہ سیاست میں بھی آدمی اسی وقت کامیاب ہو سکتا ہے جب وہ تقریر کرنے میں ماہر ہو۔ چنانچہ وہ ایک ڈراما کلب کے رکن بن گئے، جس میں شیکسپیر کے ڈراموں کی مشق کی جاتی تھی۔ ان کو کئی کرداروں کے مکالمے آخیر عمر تک یاد رہے، جن میں سے ایک روسیو کا کردار بھی تھا۔ ۱۹۴۰ء میں جب گاندھی نے ان کو خط لکھا کہ میں آپ کو کس لقب سے یاد کروں تو انہوں نے جواب میں شیکسپیر کے الفاظ دہرائے اور کہا کہ نام میں کونسی ایسی بات ہے گلاب کو جس نام سے بھی پکارا جائے اس کی خوشبو تو اتنی ہی دلفریب رہتی ہے۔

۱۹۱۰ء میں قائد اعظم مرکزی مجلس قانون ساز کے رکن منتخب ہوئے۔

لندن سے واپسی

خیال کیا جاتا ہے کہ محمد علی جناح بیرسٹر بن کر ستمبر ۱۸۹۶ء کے آخر میں کراچی واپس آئے۔ یہاں آ کر ان کو اندازہ ہوا کہ ان کے والد محترم کی مالی حالت کتنی بگڑچکی تھی اور انہوں نے کتنی تکلیفیں جھیل کر اپنے بیٹے کو تعلیم دلائی تھی۔ وہ خود بھی نہ جانے کیا کیا امنگیں لے کر آئے ہوں گے۔ اب ان کو معلوم

ہوا کہ زندگی کی کامیابی محض اعلیٰ تعلیم ہی سے حاصل نہیں ہوتی ۔ اب ان کو سخت محنت کرنی تھی اور تعلیم سے پورا فائدہ اٹھانے کا گُر بھی سیکھنا تھا ۔ اس زمانے میں کراچی ، بمبئی کے صوبے کا ایک حصّہ تھا اور صوبے کی ہائی کورٹ بمبئی ہی میں تھی ۔ اس نوجوان بیرسٹر کو چند ہی ماہ میں یہ اندازہ ہوگیا کہ کراچی کا ماحول میرے خواب کو پورا نہیں کرسکتا ، کیونکہ یہاں مجھے نہ وہ زندگی میسر آسکتی ہے جو میں حاصل کرنا چاہتا ہوں اور نہ میں اس قابل ہوسکتا ہوں کہ اپنے والد اور بھائی بہنوں کی خدمت کر سکوں ۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ کراچی کے بڑے بڑے قانون دانوں نے ان کو بہت عزت اور قدر کی نگاہ سے دیکھا تھا ۔ اور کئی اداروں نے یہ خواہش بھی ظاہر کی کہ آپ ہمارے ساتھ شامل ہوجائیں ۔ مگر انہوں نے فیصلہ کیا کہ میں بمبئی کے کھلے ماحول ہی میں جاکر اپنی قسمت آزماؤں ۔ ان کے ہمدردوں نے ان کو نصیحت کی کہ کراچی میں رہنا ہی ان کے حق میں زیادہ بہتر ہے ۔ مگر اس نوجوان نے جو ٹھان لی تھی وہ کر گزرا اور اپنے فیصلے پر اٹل رہا ۔ اپنی قیادت کے عروج کے زمانے میں جب قائد اعظم دوسروں کو نصیحت کرتے تھے تو بار بار یہی کہتے تھے کہ فیصلہ کرنے سے پہلے ہزاروں لاکھوں مرتبہ سوچ لو لیکن جب فیصلہ کرچکو تو پیچھے مت ہٹو ۔ اس معاملے میں وہ اپنے سیاسی مخالفوں سے بہت بڑھے ہوئے تھے ۔ کراچی کے کئی وکیلوں نے ان کو ملازمت کا لالچ دیا اور کئی نے اپنے ساتھ شامل ہونے کی دعوت دی ۔ مگر محمد علی جناح نے خندہ پیشانی سے سب سے یہی کہا کہ میں پہلے اپنی قسمت بمبئی میں آزما لوں اور اس وقت تک آپ اگر مناسب سمجھیں تو اپنی پیشکش کو اٹھائے رکھیں ۔ ان میں سے ایک شخص نے کہا کہ میرا وعدہ زندگی بھر قائم رہے گا ۔ اس کا نام وال چند تھا اور وہ کراچی کے مشہور قانون دانوں میں شمار ہوتا تھا ۔ یہ تھی وہ ڈھارس جس کو لے کر محمد علی جناح بمبئی روانہ ہوئے ۔ اگرچہ انہوں نے وال چند کا وعدہ پورا ہونے کی نوبت نہیں آنے دی مگر وہ ان کا نام بہت محبت اور احترام سے لیا کرتے تھے ۔

وکالت

بمبئی میں زندگی کچھ اور بھی مشکل نظر آئی ۔ مگر ارادے کی قوت اور حوصلے کی بلندی کی وجہ سے ان کی ہمت بندھی رہی اور اپنے اللہ پر بھروسہ قائم رہا ۔ بمبئی میں وہ چرن روڈ پر رہتے تھے اور قلعہ (فورٹ) میں ہائی کورٹ کے سامنے ان کا ایک معمولی سا دفتر تھا مگر نہ

قائد اعظم کی سب سے پہلی سواری ۔

کوئی مؤکل آتا، نہ کوئی مقدمہ ملتا اور نہ کوئی آمدنی ہوتی۔ قرضہ لے کر زندگی بسر ہوتی تھی۔ گھر سے دفتر کا فاصلہ تین میل تھا، جہاں سے صبح شام پیدل آتے جاتے، اور سارا دن کسی مقدمے والے کے انتظار میں کٹ جاتا۔ تین سال اسی طرح گزر گئے اور اس عرصے میں جیسا کہ وہ خود کہا کرتے تھے، دم گھٹتا رہا کہ مجھے سننے والا بھی کوئی نہیں۔ لیکن پھر بھی انہوں نے نہ دفتر جانا چھوڑا اور نہ کراچی ہی جانے کا ارادہ کیا۔ البتہ ایک اطمینان یہ تھا کہ وقت ضائع نہیں ہو رہا۔

وکالت شروع کرنے سے پہلے ہر نئے وکیل کو کسی پرانے وکیل کے ماتحت کام کرنا ہوتا ہے۔ محمد علی جناح کو ایک دوست نے میکفرسن کے دفتر میں کاغذات پڑھنے کی اجازت دلوادی تھی۔ میکفرسن اس وقت سرکاری وکیل تھے۔ یہ ایک ایسا اعزاز تھا جو پہلی بار کسی ہندوستانی کو ملا تھا۔ اس کی وجہ سے انگریزی حلقوں میں میکفرسن پر کافی نکتہ چینی ہوئی تھی۔ لیکن محمد علی جناح کا نام قانونی حلقوں میں ایک حد تک مشہور ہو گیا تھا۔ لیکن صرف کاغذات پڑھنے اور شہرت ہونے سے آمدنی تو نہیں ہوتی۔ ۱۹۰۰ء میں آمدنی کا پہلا موقع ملا۔ اس سال بمبئی میں درجہ سوم کے پریسیڈینسی مجسٹریٹ کی جگہ خالی ہوئی۔ اس مجسٹریٹ کا نام فیروز ہوشنگ دستور تھا۔ اس نے تین ماہ کی چھٹی لی تھی۔ ملازمت کرنا محمد علی جناح نے کبھی سوچا بھی نہ تھا۔ مگر اس شوق میں کہ کسی کو اپنی آواز سنا سکیں اور اپنی قانون دانی کی قابلیت دکھا سکیں، انہوں نے خیال کیا کہ اس عارضی ملازمت کو حاصل کرنے کی کوشش کی جائے۔ اب سوال تھا کہ اسے کس طرح حاصل کیا جائے۔ بمبئی کے فورٹ کے علاقے میں ایک جگہ فلورا فاؤنٹین ہے، وہاں سڑک کے کنارے یہ نوجوان سوچ رہا تھا کہ کیا کروں۔ سگریٹ کا دھواں اس کے ناک اور منہ سے نکل رہا تھا۔ ایک گھوڑا گاڑی قریب سے گزری۔ یکایک اس کے دماغ میں ایک بجلی سی کوند گئی۔ وہ لپک کر گاڑی میں بیٹھ گیا اور گاڑی بان سے کہا کہ پریسیڈینسی مجسٹریٹ کے دربار میں لے چلو۔ چند منٹ بعد اس نوجوان نے عدالت کے اعلیٰ افسر کے پاس اپنے نام کا پرچہ بھیج دیا۔ سر چارلس آلیونٹ اس وقت اعلیٰ مجسٹریٹ تھے۔ انہوں نے فوراً اندر بلا لیا یہ بھی ایک تعجب کی بات تھی کیونکہ اتنی جلدی بلا لیا جانا انگریزوں کی سرکاری روایت کے بالکل خلاف تھا۔ عموماً گھنٹوں انتظار کرنا پڑتا تھا۔

خود داری

محمد علی جناح نے جب آنے کا سبب بتایا تو سر چارلس نے کہا کہ میکفرسن کی وجہ سے میں آپ کے نام سے پہلے ہی واقف ہوں۔ لیکن پھر بھی میں چاہوں گا کہ مکیفرسن آپ کی سفارش کریں تاکہ آپ کی قابلیت کے متعلق کچھ رائے قائم ہوسکے۔ محمد علی جناح کے لئے یہ کام سب سے زیادہ مشکل تھا کہ وہ اپنی قابلیت کی تصدیق کسی اور سے کرائیں مگر سر چارلس نے یہ کہا کہ میکفرسن کی حیثیت آپ کے ایک استاد کی سی ہے اور شاگرد کے متعلق استاد سے بہتر کوئی رائے نہیں دے سکتا چاہے، اچھی ہو یا بری۔ اس سے محمد علی جناح کو ہمت ہوئی۔ دوسرے روز

صبح کو میکفرسن سے ملاقات ہوئی تو معلوم ہوا کہ سر چارلس نے پہلے ہی میکفرسن سے اس کا ذکر کردیا تھا۔ میکفرسن نے محمد علی جناح سے کہا کہ اگر تمہیں اس ملازمت کی ضرورت تھی تو تم نے مجھ سے پہلے کیوں نہ کہا ؟ انہیں معذرت کرنی پڑی۔ انہوں نے کہا کہ مجھ پر پہلے ہی آپ کا بہت احسان ہے ، اس لئے اتنی سی اور وہ بھی نجی بات کے لئے میں نے آپ کو زحمت دینا مناسب نہ سمجھا۔ میکفرسن پر اس بات کا بہت اثر ہوا اور انہوں نے فوراً ایک خط لکھ کر محمد علی جناح کے حوالے کردیا اور وہ درجہ سوم کے مجسٹریٹ مقرر ہوگئے۔ یہ واقعات قائداعظم نے مجھ سے خود بیان کئے۔

قانونی دیانت داری

اس ملازمت کے دوران ایک واقعہ ایسا پیش آیا جس نے عدالت اور قانون دانوں کے حلقوں میں کھلبلی مچادی۔ محمد علی جناح کے سامنے ایک مقدمہ پیش ہوا ، جس میں پولیس نے ایک ریاست کے سربراہ کو ملزموں میں شامل کرلیا تھا۔ جب مقدمے کی پیشی ہوئی تو عدالت کی نظر میں اس مقدمے سے اس رئیس کا کوئی تعلق ثابت نہ ہو سکا۔ چنانچہ محمد علی جناح نے پولیس کی سخت مذمت کی۔ اس زمانے میں اس قسم کا فیصلہ تو کسی کے خواب و خیال میں بھی نہیں آسکتا تھا ، اس لئے کہ پولیس حکومت کا ایک محکمہ تھا۔ لیکن محمد علی جناح کو اپنے ضمیر کے مطابق ہی بات کہنی تھی اور ان کا ضمیر حکومت کی خوشنودی کا تابع نہ تھا۔

تین مہینے بعد ہوشنگ دستور تو واپس آگئے۔ مگر ایک انگریز مجسٹریٹ سینڈر سیلٹر چھٹی پر چلے گئے ان کی جگہ دستور نے لے لی اور درجہ

قائد اعظم بمبئی کے ہائی کورٹ میں وکالت کرتے تھے۔

سوم کے مجسٹریٹ کی آسامی پھر خالی ہوگئی۔ محمد علی جناح کا تقرر تین ماہ کے لئے اور بڑھ گیا۔ عدالت کی اس کرسی پر بیٹھنے کے چند ہفتے بعد ہی ایک اور مقدمہ ان کے سامنے پیش ہوا ، جس میں انہیں محسوس ہوا کہ تفتیش کرتے وقت پولیس نے زیادتیاں کی ہیں۔ چنانچہ اپنے فیصلے میں محمد علی جناح نے پولیس کو بہت سخت سست کہا۔ اس سے سرکاری حلقوں میں تہلکہ مچ گیا۔ کیونکہ اس زمانے میں ایک سرکاری محکمہ چاہے وہ عدالت ہی کیوں نہ ہو کسی دوسرے سرکاری محکمے کے متعلق کچھ نہیں کہتا تھا اور پھر پولیس کا اقتدار قائم رکھنا تو انگریزوں کے لئے بہت ہی ضروری تھا۔ مگر محمد علی جناح نے نڈر ہو کر اپنے ضمیر کے مطابق سب کچھ کہا حالانکہ وہ سرکاری ملازم تھے۔ انہوں نے انصاف کے اصولوں کی پابندی کو پولیس کے اقتدار پر ترجیح دی اور غلط کو غلط کہنے سے نہیں جھجکے۔ اصولوں کی سختی سے پابندی اور نڈر ہو کر سچی بات کہہ دینا قائد اعظم کی خاص صفت تھی۔ اس طرح ایک

اور مقدمے میں انہوں نے پھر سرکاری عملے کو سخت الفاظ میں جھاڑا ۔ اس مقدمے میں بھی ان کے خیال میں ایک بے گناہ کو پھنسانے کی کوشش کی گئی تھی ۔

حکومت کے انصاف پسند طبقے میں محمد علی جناح کا منصفانہ رویہ سب کو پسند آیا اور سر چارلس آلیونٹ نے ان سے کہا کہ جلد ھی یہ آسامی مستقل طور پر خالی ہونے والی ھے ، وہ اس پر مامور ہونے کے لئے تیار رہیں ۔ انہوں نے بتایا کہ اس کی تنخواہ پندرہ سو روپئے ماہوار تک جاتی ھے ۔ محمد علی جناح نے مہذب الفاظ میں یہ پیش کش مسترد کردی اور کہا کہ انشاءاللہ میری آمدنی پندرہ سو روپے روز ہو گی۔ سر چارلس نے بہت سمجھا نے کی کوشش کی اور کہا کہ جذبات کی رو میں بہہ کر فیصلہ کرنا اچھا نہیں ۔ لیکن محمد علی جناح فیصلہ کر چکے تھے جو اٹل تھا ۔ یہ واقعہ بیان کرتے ہوئے قائد اعظم نے خود کہا کہ کچھ دن بعد سر چارلس سے ایک کلب میں ملاقات ہوئی اور جب میں نے ان سے کہا کہ میری آمدنی دو ہزار روپے ماہوار سے زیادہ ھے تو سر چارلس نے کہا کہ اچھا کیا جو میری تجویز آپ نے نا منظور کردی تھی ۔

ذاتی دیانت داری

وکیل کی حیثیت سے محمد علی جناح بہت دیانت دار تھے ۔ انہوں نے اپنی فیس پندرہ سو روپے روزانہ سے کبھی زیادہ نہیں کی ۔ اس دیانت داری کی تعریف ان کے ہندو دوستوں نے بھی کی ھے ۔ لاهور کے مشہور وکیل اور سیاسی لیڈر دیوان چمن لال نے لکھا ھے کہ ایک مرتبہ ایک شخص محمد علی جناح کے پاس آیا اور کہا کہ میرے مقدمے کے کاغذات پڑھ کر اس پر رائے دے دیں ۔ کاغذات بہت تھے اور اس قسم کے معاملوں میں وکیل فی گھنٹہ فیس لیا کرتے تھے ۔ جب حساب لگایا گیا تو کافی رقم بنتی تھی ۔ لیکن موکل نے صرف دس ہزار روپے دینے کا وعدہ کیا تھا چنانچہ محمد علی جناح نے کاغذات پڑھنے سے انکار کردیا ۔ اس پر اس شخص نے کہا کہ آپ کاغذات پڑھنا شروع کریں اور جب رقم ختم ہو جائے تو جہاں تک پڑھا ہو اس پر رائے دے دیں ۔ اس پر محمد علی جناح راضی ہو گئے ۔ لیکن کاغذات پڑھنے میں جو وقت صرف ھوا اس کا معاوضہ صرف ساڑھے تین ہزار روپئے ہوتا تھا ۔ لہذا انہوں نے رائے دے دی اور باقی رقم اس شخص کو واپس کردی ۔ ایک بار حیدرآباد دکن میں بھی ایسا ھی ھوا ۔ انہیں ایک مقدمے کی پیروی کے لئے وھاں جانا تھا ۔ مگر کسی وجہ سے وقت پر نہ پہنچ سکے ۔ ان کے ماتحت ایک اور نامور وکیل وھاں موجود تھے ۔ انہوں نے عدالت سے التوا کی درخواست کی ۔ مگر وہ قبول نہ ہوئی اور وکیل صاحب کو مقدمے کا آغاز کرنا پڑا ۔ دوسرے دن جب قائداعظم وھاں آئے ، وکیل صاحب نے درخواست کی کہ اب کارروائی آپ اپنے ھاتھ میں لے لیں ۔ مگر انہوں نے انکار کردیا کیونکہ ان کی نظر میں یہ وکالت کے پیشے کے آداب کے خلاف تھا ۔ انہوں نے کہا کہ مشورہ دینے کے لئے تو میں تیار ہوں ، مگر جرح نہیں کروں گا ۔ یہ کہہ کر انہوں نے فیس واپس کردی ۔ بعد میں انہوں نے کہا کہ وکالت کے پیشے میں بھی وکیل ایک دوسرے کی جرح میں دخل نہیں دیتے جس طرح ڈاکٹر ایک دوسرے کی تشخیص میں دخل نہیں دیتے ۔

قائد اعظم کی دیانت داری اور اصول کی پابندی کی سب تعریف کرتے تھے ۔ یہاں تک کہ ان کے دشمن بھی ۔ ایک مرتبہ مسٹر ٹیٹنس نے ، جو مرہٹی زبان کے اخبار کیسری کے ایڈیٹر تھے میرے سامنے قائد اعظم کو بہت برابھلا کہا ۔ جب میں نے ان سے پوچھا کہ آپ کو کیا شکایت ہے ؟ تو انھوں نے کہا کہ مجھے اس بات پر غصّہ آتا ہے کہ اس شخص کی کوئی قیمت نہیں؟ اور یہ بک نہیں سکتا ۔ جب میں نے ان سے کہا کہ یہ بات تو ناز کرنے کی ہے کہ ہندوستان میں نہ بکنے والے لوگ موجود ھیں تو وہ بولے "ایسے لوگ کہاں ھیں ، صرف ایک ھی تو ہے" پھر انھوں نے ایک سرد آہ بھری اور کہا "میں ناز ھی نہیں کرتا میں تو اس شخص کی پرستش کرتا ھوں ۔ کاش ھم ھندوؤں میں کوئی آدھا جناح بھی پیدا ھو جائے تو ھمارے ملک کو آزادی حاصل کرنے میں کوئی دیر نہ لگے" ۔ جب میں نے دوسرے روز یہ واقعہ قائد اعظم کو سنایا تو انھوں نے صرف اتنا کہا "میں مسٹر ٹیٹنس کا ممنون ھوں" اور بات کاٹ دی ۔ دراصل وہ اپنی تعریف سننا پسند نہیں کرتے تھے ۔

پریسیڈنسی مجسٹریٹ کی حیثیت سے چھ ماہ کی ملازمت میں محمد علی جناح نے اپنا تمام قرضہ چکا دیا تھا ۔ کچھ رقم بچا بھی لی تھی ، جس کی مدد سے انھوں نے وکالت شروع کردی ۔ آھستہ آھستہ ان کی آمدنی بڑھتی گئی اور وہ اس قابل ھوگئے کہ اپنے ملک کے باشندوں کی خود داری قائم رکھنے کے لئے ملک کی سیاست اور آئین کے متعلق مسائل میں حصّہ لے سکیں ۔

۱۹۱۶ء میں ان کو ھندو مسلم اتحاد کے سفیر کا خطاب دیا گیا ۔

سیاسی گروہ بندی

اس زمانے میں ہندوستان میں برطانوی نمونے کی جمہوریت کا آغاز ہو رہا تھا ۔ یہاں کے لیڈروں میں دو طرح کے خیال پائے جاتے تھے ۔ ایک گروہ تو وہ تھا جو چاہتا تھا کہ ملک تھوڑی تھوڑی اصلاحات کے ذریعے آگے بڑھے ۔ اس گروہ کے خیال میں آزادی کی کوئی خاص جلدی نہیں تھی ، خاص طور سے اس وجہ سے کہ برطانیہ نے ہندوستان کے آئین میں زیادہ سے زیادہ اصلاحات کرنے کا وعدہ کر رکھا تھا ۔ اس گروہ کی نظر میں انگریزوں کے آنے سے ہندوستان کو کافی فائدہ ہوا تھا اور معاشی ترقی بھی تیزی سے ہوئی تھی ۔ یہ گروہ یہ بھی چاہتا تھا کہ برطانیہ ہندوستان پر حکومت کرتا رہے تاکہ یہاں کے لوگ اور ان کی آنے والی نسلیں اس نئے طرز کی حکومت سے اچھی طرح واقف ہوجائیں ۔ اس گروہ میں زیادہ تر وہ لوگ تھے جن کی تعلیم انگلستان میں ہوئی تھی ۔ انہیں برطانیہ کے پارلیمانی نظام حکومت کے علاوہ وہاں کی یہ بات بھی پسند تھی کہ آدمی جو خیالات چاہے رکھ سکتا ہے ۔ دوسرے گروہ کو یہ بات پسند نہیں تھی کہ آئین میں آہستہ آہستہ اصلاحات ہوں ۔ وہ اس امر پر زور دیتا تھا کہ انگریزوں کو جلد سے جلد ہندوستان چھوڑ دینا چاہیئے اور اگر انہیں نکالنے کے لئے لڑائی اور دنگا فساد بھی کرنا پڑے تو کوئی حرج نہیں ۔ دوسرے گروہ میں اور بھی کئی گروہ تھے ۔ وہ اس طرح کہ ہندو الگ تھے اور مسلمان الگ ۔ ہندو یہ سمجھتے تھے کہ انگریزوں کو نکالنے میں مسلمان روڑے اٹکائیں گے ۔ یہ لوگ کھلم کھلا یہ کہتے تھے کہ ہندوستان پر حکومت کرنے کا حق نہ انگریزوں کو ہے اور نہ مسلمانوں کو ۔

اس طرح مسلمانوں کے لیڈر یہ کہتے تھے کہ پارلیمانی نظام میں چونکہ فیصلے تعداد کی بنیاد پر کئے جاتے ہیں ، اس لئے مسلمان جو تعداد میں کم ہیں اپنی حفاظت اچھی طرح نہیں کر سکیں گے ۔ اس لئے مسلمان یہ کہتے تھے کہ یہاں انگریزی حکومت رہنی چاہیئے یا پھر یہاں حکومت کا کوئی ایسا نظام قائم کیا جائے جس میں مسلمان عزت اور آرام سے رہ سکیں ۔

پہلے گروہ میں پارسی ، عیسائی ، ہندو ، مسلمان سب شامل تھے ۔ اس کے لیڈروں کی یہ رائے تھی کہ اگر ہندوؤں اور مسلمانوں میں کوئی سمجھوتہ ہو جائے تو پھر دونوں مل کر آزادی حاصل کرنے میں کامیاب ہو جائیں گے اور ملک میں امن و امان بھی رہے گا ۔ ہندوؤں میں اس خیال کے لیڈر گوپال کرشن گوکھلے تھے اور مسلمانوں میں محمد علی جناح ۔

دوسرے گروہ میں کچھ ہندو اس خیال کے بھی تھے کہ انگریزوں کے چلے جانے کے بعد ہم مسلمانوں سے نمٹ لیں گے اور اس گروہ کے کچھ مسلمان یہ سمجھتے تھے کہ آزادی کے بعد ہندو پھر کبھی اپنا سر نہ اٹھا سکیں گے ۔ وہ انگریزوں کو بھی برا سمجھتے تھے کیونکہ انہوں نے یہودیوں سے مل کر مشرق وسطیٰ کے مسلم ملکوں کو سازشوں کا اکھاڑا بنا رکھا تھا ۔ اس گروہ کے ہندو اپنے دھرم کے لئے انگریزوں اور مسلمانوں سے لڑنے مرنے کو تیار تھے ۔ اسی طرح اس گروہ کے مسلمان اپنے مذہب کی خاطر انگریزوں اور ہندوؤں سے لڑنے مرنے کو تیار تھے ۔ مگر گوکھلے اور محمد علی جناح مستقل اس کوشش میں تھے کہ اعتدال کا راستہ اختیار کیا جائے ۔

آئینی اصلاحات

برطانیہ نے ہندوستان کے آئین میں جن اصلاحات کا وعدہ کیا تھا ان کی پہلی قسط ۱۹۰۹ء میں دی۔ مرکزی قانون ساز اسمبلی کے انتخابات اسی سال ہوئے۔ بمبئی میں ایک نہایت دلچسپ واقعہ پیش آیا۔ یہاں سے ایک مسلم نشست کے لئے دو بڑے خطاب یافتہ مسلمانوں نے انتخاب لڑنے کا اعلان کیا۔ لیکن یہاں کے باشندوں نے یہ محسوس کیا کہ آپس میں لڑنے سے مسلمانوں کے مفاد کو نقصان پہنچنے کا ڈر ہے، اس لئے انہوں نے زور دیا کہ ان میں سے ایک کو بیٹھ جانا چاہئے۔ لیکن فیصلہ نہ ہو سکا۔ آخر کار طے پایا کہ کسی تیسرے آدمی کو یہ ذمے داری سونپ دی جائے۔ سب کی آنکھیں محمد علی جناح پر پڑیں اور وہ بلا مقابلہ منتخب ہو گئے۔ ہندوؤں میں گوکھلے کا انتخاب ہوا۔ مجلس قانون ساز اس زمانے میں کلکتہ میں تھی۔ اجلاس شروع ہونے کے چند ہی دن بعد یہ مسئلہ پیش ہوا کہ باہر کے ملکوں میں ہندوستانیوں کی کیا حیثیت ہے۔ بحث کے دوران محمد علی جناح نے جنوبی افریقہ کی حکومت کو برا بھلا کہا کہ وہ ہندوستانیوں سے برا سلوک کر رہی ہے۔ اس پر وائسرائے نے جو مجلس قانون ساز کا صدر بھی ہوتا تھا محمد علی جناح سے کہا کہ جنوبی افریقہ اور ہندوستان دونوں ہی دولت مشترکہ کے رکن ہیں، اس لئے ہندوستان کو حق نہیں کہ جنوبی افریقہ کے بارے میں سخت سست الفاظ استعمال کرے۔ مگر محمد علی جناح نے نہایت دلیری سے نڈر ہو کر جواب دیا کہ بے انصافی کے خلاف آواز بلند کرنا ہر خود دار انسان کا فرض ہے۔ جب یہ خبر اخباروں میں چھپی تو بمبئی کے دو خطاب یافتہ مسلمان لیڈر سہم کر رہ گئے۔

محمد علی جناح اس مجلس کے چھ سال تک رکن رہے۔ اس عرصے میں انہوں نے اپنی پارلیمانی

قائد اعظم اپنی بہن
مس فاطمہ جناح اور
اپنی بیٹی دینا کے ساتھ۔

قابلیت ، دلائل ، تقریر کرنے کے فن اور قانون میں مہارت کا اتنا ثبوت دیا کہ ہر طرف ان کی تعریف ہونے لگی اور ان کی دھاک بیٹھ گئی ۔ انھوں نے ایک طرف تو مسلمانوں کے فائدے کے قانون منظور کرائے اور دوسری طرف آئین میں اصلاحات کے لئے کوشش کرتے رہے جس میں انھیں کافی کامیابی ہوئی ۔ یہ شرف صرف انھی کو حاصل تھا کہ وہ کانگرس کے بھی ممبر تھے اور مسلم‌لیگ کے بھی۔ یہ بات بھی توجہ کے قابل ہے کہ گوکھلے کو تو ہندوؤں کی نمائندگی کبھی نصیب نہ ہوئی مگر محمد علی جناح کو مسلمانوں کی نمائندگی کا حق شروع ہی سے حاصل تھا ۔

مفاہمت کی کوشش

ہندو مسلم اتحاد کے لئے انھوں نے ایک نئی روایت کی بنیاد رکھی ۔ انھوں نے تجویز پیش کی کہ مسلم لیگ اور کانگرس کے سالانہ جلسے ایک ہی وقت میں اور ایک ہی جگہ ہونے چاہئیں ۔ چنانچہ ۱۹۱۵ء میں بمبئی میں دونوں جماعتوں کے سالانہ جلسے ہوئے ۔ ان کا خیال تھا کہ اس طرح ہندو اور مسلمان لیڈروں کو ایک دوسرے کے خیالات سے واقف ہونے اور مل جل کر ان پر غور کرنے کا موقع مل جائے گا ، جس سے ملک میں اتحاد چاہنے والوں کے لئے زمین ہموار ہو جائیگی ۔ اور ہوا بھی ایسا ہی ۔ بمبئی میں ایک تاریخی سمجھوتہ کی راہ ہموار ہوگئی ۔ یہ سمجھوتہ اگلے سال یعنی ۱۹۱۶ء میں لکھنئو میں ہوا ، جہاں کانگرس اور مسلم لیگ دونوں کا اجلاس ہوا ۔ تقریباً ایک ہفتہ محمد علی جناح ، ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان بات چیت کی راہ ہموار کرنے میں لگے رہے اور کامیاب ہوئے ۔ یہ تاریخ کا ایک ایسا واقعہ ہے جس کی مثال ملنی مشکل ہے ۔ سب نے ان کی تعریفیں کیں اور گوکھلے نے ان کو ” ہندو مسلم اتحاد کا پیغام بر ،، کا خطاب دیا ۔ اسی سال بمبئی شہر نے پھر ان کو اتفاق رائے سے مرکزی قانون ساز مجلس کا رکن چنا ۔ بمبئی کے باشندوں نے اعلان کیا کہ محمد علی جناح کی عزت و احترام میں کوئی شبہ نہیں اور انھوں نے ہندوستان کے لوگوں کے حقوق کی بہت دلیری سے حفاظت کی ہے ۔

۱۹۱۴ء میں عالمگیر جنگ چھڑ گئی اور برطانیہ کو ہندوستان کی مدد کی ضرورت پڑی ۔ اس لئے برطانیہ نے ہندوستانیوں کا زیادہ سے زیادہ اعتماد حاصل کرنے کے لئے بار بار کہا کہ ہندوستان کو آئینی اصلاحات دینے کا برطانیہ کا پکا ارادہ ہے اور اس پر وہ قائم ہے ۔ دوسری طرف ہندوستان کے لیڈر جن میں محمد علی جناح سب سے آگے تھے اس پر زور دے رہے تھے کہ جب تک اس ملک کے باشندوں کو یہ یقین نہ ہو کہ ہم اس ملک کے مالک ہیں اور اس کی حکومت میں ہمیں دخل حاصل ہے ، تب تک برطانیہ کو یہاں سے خاطرخواہ مدد نہیں مل سکتی ۔ یہ بحث کئی سال جاری رہی اور ۱۹۱۷ء میں برطانیہ کی طرف سے اعلان ہوا کہ لارڈ مانٹیگو جو وہاں کی حکومت میں وزیر ہند تھے یہاں آکر لیڈروں سے بات چیت کریں گے اور اس گفتگو میں ہندوستان کے وائسرائے لارڈ چیمسفورڈ بھی ان کے ساتھ ہوں گے ۔ یہ کمیشن اس سال کے آخر میں ہندوستان آیا اور اس کے سامنے محمد علی جناح نے اپنی رائے پیش کی

۱۹۱۶ء میں مسلم لیگ اور کانگرس کا اجلاس ہوا جس میں قائداعظم کی انتھک کوششوں سے ہندو اور مسلمانوں میں سمجھوتہ ہوا۔ ہندوستان کے کسی اور لیڈر کو اتنا بڑا کارنامہ انجام دینے کا شرف حاصل نہیں ہوا۔

کہ یہاں کے لوگوں کو زیادہ سے زیادہ اختیارات اور حکومت میں کافی حصّہ ملنا چاہئیے۔ ان سے ملنے کے بعد مانٹیگو نے اپنے روز نامچے میں محمد علی جناح کے متعلق لکھا کہ یہ بڑے ظلم کی بات ہے کہ اتنے قابل آدمی کو اپنے ملک کے معاملات میں دخل کا کوئی موقع نہیں ملتا۔ انہوں نے محمد علی جناح کے دلائل کی بہت تعریف کی اور لکھا کہ چیمسفورڈ نے ان سے بحث کی کوشش کی، لیکن الجھ کر رہ گئے۔

سیاسی دلیری

اگلے سال ایک اور اہم واقعہ پیش آیا۔ بمبئی کے گورنر ویلنگڈن اپنے عہدے سے فارغ ہو رہے تھے۔ چند خوشامدیوں نے ان کے اعزاز میں الوداعی جلسہ کرنے کا اعلان کیا تھا۔ لیکن محمد علی جناح اور ان کے ساتھیوں کا خیال تھا کہ بمبئی کے باشندے ویلنگڈن سے ناخوش ہیں کیونکہ انہوں نے جنگ میں مدد لینے کی بجائے ہندوستان کے لیڈروں سے بدکلامی کی تھی۔ جہاں یہ الوداعی جلسہ ہونا تھا وہاں محمد علی جناح کی رہنمائی میں بمبئی کے باشندے بہت بڑی تعداد میں جمع ہوگئے اور انہوں نے یہ جلسہ نہ ہونے دیا۔ ہندوستان کی تاریخ میں یہ ایک ہی مثال ہے جس میں کسی نے اتنے بڑے حاکم سے ٹکر لی ہو۔ بمبئی کی آبادی اس واقعہ سے اس قدر خوش ہوئی کہ اس نے چندہ کرکے ایک عمارت تعمیر کی اور محمد علی کے نام پر "جناح ہال"، اس کا نام رکھا۔ یہ عمارت بعد میں کانگرس کا دفتر بن گئی۔

اسی سال دو رپورٹیں شائع ہوئیں۔ ایک تو رولٹ کمیشن کی تجاویز جو ملک میں غیر قانونی کارروائیوں کو روکنے کے لئے کی گئی تھیں اور دوسری مانٹیگو کمیشن کی تجاویز جو آئینی اصلاحات کے متعلق تھیں۔ غیر قانونی کارروائیوں

کے متعلق محمد علی جناح نے کہا کہ ان کارروائیوں کی اصل وجہ حکومت کا غیر مہذب رویہ ہے اور جب تک حکومت اپنے طور طریقے نہیں بدلے گی یہ کارروائیاں بند نہیں ہوسکتیں ۔ انہوں نے حکومت کو جتایا کہ اگر ان تجاویز کی بنا پر حکومت نے کوئی قانون منظور کرنے کی کوشش کی تو باشندوں کا غصہ روکنا مشکل ہو جائے گا ۔ مگر جہاں انہوں نے حکومت کو تنبیہ کی تھی وہاں انہوں نے ہندوستانیوں سے بھی کہا تھا کہ غیر قانونی کارروائیوں سے ملک کو نقصان پہنچنے کا ڈر ہے ۔ ان کی بات پر حکومت نے کوئی دھیان نہیں دیا اور ایک قانون منظور کر دیا جو "کالا قانون" کے نام سے مشہور ہوا۔ محمد علی جناح نے احتجاج کے طور پر مرکزی قانون ساز مجلس سے استعفیٰ دے دیا ۔ انہوں نے کہا کہ جب حکومت میری رائے اور میرے مشورے کی اہمیت نہیں سمجھتی تو پھر میرے اس مجلس کا رکن رہنے کی کوئی خاص ضرورت نہیں اور اس سے کسی کو فائدہ نہیں ہوسکتا ادھر ہندوستانیوں نے بھی ان کی ایک نہ سنی ۔ ملک میں خون ریزی کا طوفان برپا ہو گیا۔ جلیانوالہ باغ میں احتجاج کے لئے ہزاروں آدمی جمع ہوئے اور ان پر حکومت نے گولیاں چلائیں ۔ کہا جاتا ہے کہ جنرل ڈائیر جس نے اس قتل عام کا حکم دیا تھا یہودی تھا ۔ یہ واقعہ ۱۹۱۹ء کا ہے اسی سال برطانوی پارلیمنٹ میں مانٹیگو رپورٹ کی بنیاد پر ہندوستان کے لئے آئینی اصلاحات کا قانون بھی منظور ہو گیا ۔

تحریکیں

جنگ عظیم کے دوران ہندوستان کے مسلمانوں نے ترکی اور خلافت کے سلسلے میں تشویش کا اظہار کیا تھا ۔ اس جنگ میں ترک ، جرمنوں کے ساتھ ہو کر انگریزوں کے خلاف لڑے تھے ۔ اس سے ایک ایسی صورت حال پیدا ہوگئی جس سے مسلمان بہت پریشان تھے ۔ اسی دوران فلسطین میں یہودیوں کو آباد کرنے کا مسئلہ کھڑا ہوا اور برطانیہ کے لارڈ بالفور نے یہودیوں کو یقین دلایا کہ فلسطین میں یہودیوں کی ایک حکومت قائم کی جائے گی ۔ اس وقت جن اصولوں کے لئے جنگ عظیم لڑی جا رہی تھی وہ کافی واضح نہیں تھے ۔ لیکن اب یہ بات یقین سے کہی جاسکتی ہے کہ یہ جنگ ترکی خلافت کو ٹکڑے ٹکڑے کرنے کے لئے لڑی گئی تھی ۔ اور اس جنگ کو عالمگیر بنانے اور شروع کروانے میں یہودیوں کا اتنا ہی ہاتھ تھا جتنا ترکی کو جنگ پر آمادہ کرنے میں ان کا ہاتھ تھا ۔ یہ بات بھی اب طے ہے کہ ہندوستان میں آزادی کا پروپیگنڈا ان دنوں اس لئے شروع کیا گیا تھا کہ مسلمانوں کی توجہ خلافت سے ہٹ کر ہندوستان کی آزادی کی طرف لگ جائے ، اور ہندوستان کی سیاسی رہنمائی ہندوؤں کے ہاتھ میں آجائے ۔

جیسا کہ سب کو معلوم ہے ایک یہودی خاتون مسز اینی بیسنٹ نے ہوم رول یعنی گھریلو حکومت کی تحریک شروع کی تھی جس نے ہندو مندروں اور انکے مذہبی اداروں پر بہت اثر کیا تھا ۔ اس تحریک کے ذریعہ یہ بات ثابت کرنے

کی بھی کوشش کی گئی کہ اکثریت میں ہونے کی
وجہ سے ہندو ملک میں بدامنی پھیلا سکتے اور
قتل و غارت کر سکتے ہیں تاکہ حکومت ہند اور
مسلمانوں کے دل میں ہندوؤں کا ڈر بیٹھ جائے اور
یہ بات بھی تسلیم کر لی جائے کہ ہندوستان میں
سیاسی معاملات کے لئے انگریز کا صرف ہندو سے
بات چیت کرنا کافی ہے ۔ اس تحریک سے ہندوؤں
کی سودے بازی بڑھ گئی اور ساتھ ہی ساتھ یہ بھی
ظاہر ہوگیا کہ پروپیگنڈے کے ذریعہ جھوٹی
باتیں بھی منوائی جا سکتی ہیں ۔ محمد علی جناح
ہندوستان کی آزادی کی تحریک میں شروع ہی سے
شامل تھے ۔ مگر جب یہ تحریک موہن داس
کرم چند گاندھی کی رہنمائی میں قانون توڑنے کے
لئے استعمال ہونے لگی تو انہوں نے کانگرس سے
استعفیٰ دے دیا ۔ گاندھی نے اس غیر قانونی رویئے کو
"نئی زندگی" کا نام دیا ۔ انہوں نے محمد علی جناح
سے درخواست کی کہ آپ استعفیٰ دینے کے بجائے
اس نئی زندگی میں حصہ لیں ۔ اس کے جواب میں
محمد علی جناح نے لکھا :۔

ہوم رول یعنی گھریلو حکومت کی تحریک کے
رہنماؤں کی ایک تصویر جس میں کرسیوں پر
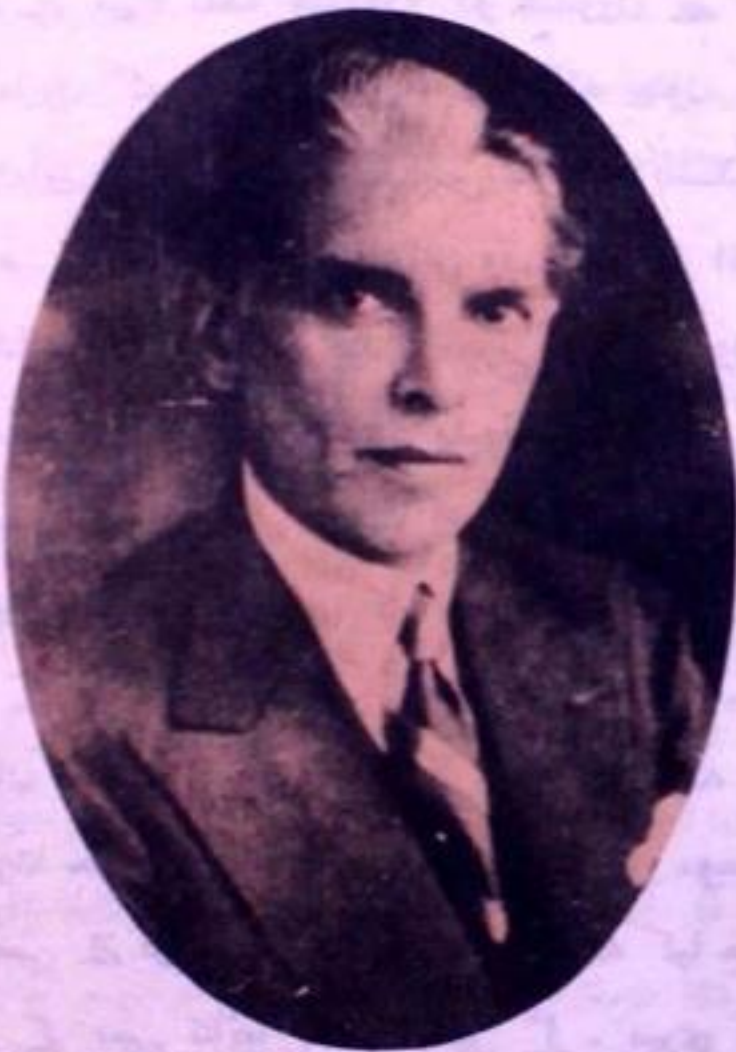
بائیں سے تیسرے قائد اعظم اور چوتھی مسز
اینی بسنٹ ہیں ۔
(دائرے میں) قائد اعظم گول میز کانفرنس کے
زمانے میں ۔

"اگر نئی زندگی سے آپ کی مراد آپ کے طور طریقے اور پروگرام ہیں، تو معاف کیجئے یہ مجھے قبول نہیں - مجھے یقین ہے کہ اس کا نتیجہ تباہی ہوگا - حقیقت میں جو نئی زندگی ملک کے سامنے اس وقت ہے وہ تو یہ ہے کہ ہمیں ایک ایسی حکومت سے واسطہ پڑا ہے جس کو باشندوں کی شکایات، جذبات اور احساسات کی کوئی پرواہ نہیں - ہمارے ہم وطن آپس میں بٹے ہوئے ہیں -

اعتدال پسند پارٹی بدستور غلط راستوں پر چل رہی ہے اور پھر آپ کے کام کرنے کے طریقے نے ہر شعبے میں جہاں آپ کی پہنچ ہوئی ہے پھوٹ اور بد نظمی پیدا کر دی ہے اور ملک کی سیاسی زندگی میں آپ نے نہ صرف ہندوؤں اور مسلمانوں کو ایک دوسرے سے، بلکہ ہندوؤں کو ہندوؤں سے اور مسلمانوں کو مسلمانوں سے، حتیٰ کہ بیٹوں کو باپوں سے لڑا دیا ہے - ملک میں ہر جگہ باشندے بے صبرے ہوگئے ہیں - اس وقت آپ کا انتہا پسندانہ پروگرام صرف چند نا تجربے کار نوجوانوں، جاہلوں اور ان پڑھوں میں مقبول ہے اور اس کا مطلب سوائے مکمل پھوٹ اور بد نظمی کے اور کچھ نہیں - پھر اس کا جو نتیجہ نکلے گا اس کے خیال ہی سے میں کانپ اٹھتا ہوں - لیکن جہاں تک میرا تعلق ہے مجھے یقین ہے کہ اس صورت حال کا بنیادی سبب حکومت کی موجودہ پالیسی ہے اور جب تک یہ سبب دور نہ کیا جائے اس کے یہی نتائج نکلتے رہیں گے - میری آواز میں وہ اثر یا طاقت نہیں جو اس سبب کو دور کر دے، تاہم میں یہ بھی نہیں چاہتا کہ میرے ہم وطنوں کو گھسیٹ کر ایک ایسی چٹان پر لا کر کھڑا کر دیا جائے جہاں سے انہیں گرا کر پاش پاش کیا جا سکے - اس وقت وطن دوستوں کے لئے یہی ایک راستہ ہے کہ وہ اکٹھے ہو کر ایک ایسے مقبول عام پروگرام کے لئے کام کریں جس کے ذریعے ایک پوری ذمے دار حکومت جلد سے جلد قائم ہو سکے - ایسا پروگرام کسی ایک شخص کی مرضی سے نہیں بنایا جا سکتا، بلکہ اسے ملک کے تمام ممتاز محب وطن رہنماؤں کی تائید اور حمایت حاصل ہونی چاہئے - میں اور میرے ساتھی اس مقصد کے لئے کام کرتے رہیں گے -"

جنگ ختم ہونے کے بعد

انگریزوں کی ترکی سے صلح کی تجاویز کا اعلان ۱۴ مئی ۱۹۲۰ء کو ہوا اور ساتھ ہی وائسرائے نے اپنا پیغام بھی جاری کیا- وائسرائے خود بھی یہودی تھا - اس پیغام میں کہا گیا کہ حالانکہ شرائط بری ہیں اور ان سے مسلمانوں کو نقصان پہنچے گا، پھر بھی امید کی جاتی ہے کہ وہ اپنے ترک بھائیوں کی بد نصیبی کو صبر و تحمل سے برداشت کریں گے - صلح کی شرائط سے مسلمانوں کے غم اور غصے کی کوئی حد نہ رہی ہندوؤں اور یہودیوں نے اس کا پورا فائدہ اٹھایا اور مسلمانوں کے اصل رہنماؤں کو کچھ عرصے کے لئے پیچھے ہٹا دینے میں کامیاب ہوگئے - مسز اینی بسنٹ بھی برطانیہ واپس چلی گئیں - غالباً ان کا کام ختم ہو گیا تھا- محمد علی جناح کو اپنی جد و جہد میں ایک نئی روح پھونکنی پڑی اس جد و جہد کا رخ دو طرف تھا - ایک طرف تو ہندوؤں کے خلاف، جو بد نظمی کی آگ بھڑکا رہے تھے اور پروپیگنڈے کے ذریعے اپنے آپ کو دنیا کی توجہ کا مرکز بنائے رکھنے میں مصروف تھے -

محمد علی جناح کی یہ جد و جہد دوسری طرف انگریزوں کے خلاف تھی جو اس قسم کے حالات برابر پیدا کرتے چلے جارہے تھے کہ بد نظمی کے لئے سبب مہیا ہوتا رہے۔

۱۴ نومبر ۱۹۲۳ء کو محمد علی جناح بمبئی سے ایک بار پھر مرکزی مجلس قانون ساز کے لئے بلا مقابلہ رکن منتخب ہوئے۔ اب انہوں نے حکومت کے طریقے سدھارنے اور ملک کی بھلائی کے کاموں پر پھر زور دیا۔ انہوں نے اعلیٰ سرکاری ملازموں کی کارکردگی بہتر بنانے کے لئے مفید مشورے دیئے۔ اس سلسلے میں حکومت نے ایک کمیشن بٹھایا تھا۔ محمد علی جناح نے اس کے سامنے کئی تجویزیں پیش کیں اور کہا کہ سول سروس کی اعلیٰ آسامیاں بھرنے کے لئے مقابلے کے جو امتحانات صرف انگلستان میں ہوتے ہیں وہ ساتھ ہی ساتھ ہندوستان میں بھی ہونے چاہئیں۔ محمد علی جناح کی تجویز مان لی گئی۔ دوسرے اہم معاملات میں بھی انہوں نے حکومت ہند کو مجبور کیا کہ وہ ہندوستان کے باشندوں کے احساسات اور تجاویز پر غور کرے۔ فوجداری اور دیوانی کے قوانین پر مستقل نظر رکھی اور جہاں تک ہوسکا ان میں ترمیمات پیش کیں اور قبول کروائیں۔

کچھ عرصہ پہلے الگزنڈر موڈی مین نے وعدہ کیا تھا کہ ان کی صدارت میں ایک کمیٹی قائم کی جائے گی اور اگر وہ یہ فیصلہ کرے گی کہ ۱۹۱۹ء کی آئینی اصلاحات پر عمل نہیں ہوسکتا اور ان کی جگہ نئی اصلاحات کی ضرورت ہے تو حکومت ہند اپنی سفارشات حکومت برطانیہ کو بھیجنے میں دریغ نہ کرے گی۔ محمد علی جناح کو اس وعدے میں امید کی ایک نئی کرن دکھائی

داھنی جانب سے چودھری خلیق الزمان، عبدالرحمان صدیقی اور مولانا حسرت موہانی۔

دی اور جب یہ کمیٹی ۱۹۲۴ء میں مقرر ہوئی تو انہوں نے اس کی رکنیت قبول کر لی۔ ملک بھر سے تجویزیں اس کمیٹی کے سامنے آئیں۔ ملک کے تمام رہنماؤں نے اپنے اپنے خیالات کمیٹی پر ظاہر کئے۔ اس کمیٹی میں جو سرکاری افسر رکن تھے وہ اجلاس میں موجود ارکان کو اپنا ہم خیال بنانے کی کوشش کرتے تھے اور یہ اس وقت بھی ہوتا تھا جب آرا قلمبند ہو رہی ہوتیں۔ لیکن محمد علی جناح کی موجودگی اور ان کی بر وقت مداخلت سے کمیٹی کئی مرتبہ ناخوشگوار نتائج سے بچ گئی۔ پھر بھی محمد علی جناح کی رہنمائی میں چار ہندوستانی ممبروں نے اپنی رپورٹ الگ لکھی، حالانکہ ضوابط میں اس کی کوئی گنجائش نہیں

تھی ۔ اس رپورٹ میں انہوں نے کمیٹی کی تجاویز کی حمایت کی اور اس کے علاوہ کہا کہ جب تک آئین کا ڈھانچہ بدلا نہیں جائیگا، صورت حال کی اصلاح ممکن نہیں ۔ اقلیت کی رپورٹ میں یہ بھی سفارش کی گئی کہ قانون ساز مجلسوں میں حکومت کے نامزد ممبر نہیں ہونے چاھئیں ۔ فوج کی کمان ہندوستانیوں کے ھاتھ میں دینے کے لئے ایک باقاعدہ پروگرام بنانا چاھئے اور گورنر جنرل کو قانون بنانے کے جو اختیارات حاصل ھیں ان میں کمی ھونی چاھئے ۔

اصلاحات اور اتحاد میں رکاوٹیں

حقیقت یہ ھے کہ اس زمانے میں اگر بد نظمی پھیلانے والے اور حکومت سے عدم تعاون کرنے والے امن و امان قائم کرکے عملی اصلاحات پر توجہ دیتے تو ہندوستان زیادہ تیزی سے آزادی کی طرف بڑھتا ۔ بہر حال محمد علی جناح نے اپنی کوشش جاری رکھی اور کافی کامیاب رھے ۔ اس کے بر خلاف ہندو لیڈروں نے جتنی بھی تحریکیں چلائیں وہ ادھوری ھی رھیں اور واپس لے لی گئیں۔ یہ آڑ لے کر کہ امن کے لئے خطرہ ھے انگریزوں نے اپنے ھاتھ اور مضبوط کر لئے اور قانونی پکڑ اور سخت کر دی ۔ اس طرح ان کی حکومت کی زندگی بڑھتی گئی ۔

ہندو مسلم اتحاد کے لئے کچھ اور لیڈر بھی کوشش کر رھے تھے ۔ ۱۹۲۲ء میں ڈاکٹر انصاری اور لالہ لاجپت رائے نے ایک سمجھوتہ تیار کیا تھا اور بنگال کے مشہور لیڈر چترنجن داس نے اپنی تجویزیں تیار کی تھیں ۔ کانگرس نے اس سمجھوتے پر خاص توجہ نہ دی اور ۱۹۲۳ء میں اسے ایک کمیٹی کے سپرد کردیا جس کا آج تک پتہ نہیں چل سکا ۔ داس کی تجویزیں یہ کہہ کر رد کردی گئیں کہ ان میں مسلمانوں کو ان کے حق سے زیادہ دیا گیا ھے ۔ اس فضا میں محمد علی جناح نے کہا کہ سمجھوتہ نہ ھونے کی ایک وجہ یہ بھی ھے کہ ہندوؤں کی طرف سے بولنے والی تو کئی جماعتیں ھیں مثلاً کانگرس، سوراج پارٹی، لبرل پارٹی اور ہندو مہاسبھا، مگر مسلمانوں کی طرف سے کوئی با اثر جماعت نہیں، مسلمانوں کو چاھئیے کہ وہ اپنے آپ کو منظم اور متحد کریں ۔ اسی زمانے میں مصطفیٰ کمال پاشا نے ترکی کی خلافت کو ختم کرنے کا اعلان کردیا جس سے مسلمانوں کی سیاست الجھ کر رہ گئی ۔ لیکن اتحاد کی ضرورت

زیادہ تیزی سے محسوس ہونے لگی۔ ہندوؤں نے جو سخت رویہ اختیار کیا، اس کی وجہ سے مسلمانوں کا اتحاد اور بھی ضروری خیال کیا جانے لگا۔

تقسیم کی جھلک

مولانا حسرت موہانی ان لوگوں میں سے تھے جنہوں نے آئین کے مسائل پر زیادہ توجہ دی اور اس نتیجے پر پہنچے کہ موجودہ حالات میں برطانوی طرز حکومت ہندوستان کے لئے قابل عمل نہیں ہے اور آپس کے جھگڑوں کا صرف یہ حل ہے کہ جہاں ہندوؤں کی تعداد زیادہ ہو وہاں ہندوؤں کی حکومت ہو اور جہاں مسلمان زیادہ ہوں وہاں مسلمانوں کی الگ حکومت قائم کردی جائے۔ اس خیال کو لالہ لاجپت رائے نے بھی پسند کیا۔ لیکن ان میں اور مولانا حسرت موہانی میں یہ فرق تھا کہ مولانا حسرت موہانی مرکز میں ایک حکومت کے حق میں تھے۔ اور لالہ لاجپت رائے کے خیال میں اس کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔ لالہ لاجپت رائے یہ سمجھتے تھے کہ انہوں نے مولانا حسرت موہانی کی تجویز کو بہتر بنا دیا ہے۔ انہوں نے لکھا :۔

۱۹۳۰ء میں مسلم لیگ نے ہندوستان کے نئے آئین کی صوبائی تجاویز کو منظور کر لیا لیگ کے اجلاس میں مسلمانوں کے ملک بھر کے لیڈر موجود تھے اور اس کے بعد مسلم لیگ مضبوط اور مسلمانوں کی سیاست مستحکم ہوتی چلی گئی۔

”میری اسکیم کے مطابق مسلمانوں کی چار ریاستیں ہونگی۔ ایک تو پٹھان صوبہ یا شمال مغربی سرحد، دوسری مغربی پنجاب، تیسری سندھ اور چوتھی مشرقی بنگال۔ اگر ہندوستان کے کسی اور خطے میں مسلمانوں کی گنجان آبادی ہو اور وہ خطہ اتنا بڑا ہو کہ ایک صوبہ بن سکے تو اسے بھی اسی طرح قائم کیا جائے۔ لیکن یہ بات صاف طور پر معلوم ہونی چاہئے کہ یہ متحدہ ہندوستان نہیں ہوگا، بلکہ اس کے معنی صاف طورپر تقسیم کے ہوں گے۔ یعنی مسلم ہندوستان اور غیر مسلم ہندوستان۔ یا مسلمان الگ حیثیت کا دعویٰ چھوڑ دیں یا پھر ہندوستان تقسیم ہو جانا چاہئے۔ اس کے بغیر ہندوستان آزاد ہونے کی کبھی امید نہیں کر سکتا۔“

لالہ لاجپت رائے نے ہندوؤں کو آگاہ کیا تھا کہ ہندوستان سے باہر ان کا کوئی دوست نہیں۔ اسی زمانے میں انہوں نے اپنا مشہور خط چترنجن داس کو لکھا تھا جس میں انہوں نے یہ کہا تھا ”ہم انگریزوں کے خلاف تو اکٹھے ہو سکتے ہیں مگر ہندوستان میں انگریزوں کے طرز حکومت کے مطابق حکومت کرنے کے لئے متحد نہیں ہو سکتے۔ یعنی یہ نہیں ہو سکتا کہ ہندوستان متحد بھی رہے اور یہاں جمہوری طریق کی حکومت بھی ہوجائے۔ اس کا علاج پھر کیا ہے؟ مجھے سات کروڑ مسلمانوں سے خطرہ نہیں۔ مگر میں سوچا کرتا ہوں کہ سات کروڑ ہندوستانی اور پھر افغانی، مرکزی ایشیائی، عرب، میسوپوٹومیائی (عراقی) اور ترک مسلمانوں کی مسلح یلغار کی روک تھام بہت مشکل ہو جائے گی۔“

اتحاد کی کوشش

بہرحال محمد علی جناح کی کوشش برابر جاری تھی کہ کسی نہ کسی طرح ہندوؤں اور مسلمانوں

مسلم لیگ کی مجلس عاملہ کا ایک اجلاس

میں سمجھوتہ ہو جائے ۔ چنانچہ ان کو دونوں طرف کے اعتراضوں کا جواب دینا پڑتا تھا ۔ ایک طرف تو مسلمان کہتے تھے کہ ہندوستان میں ہندو تعداد میں بہت زیادہ ہیں ، اور ان کی یہ اکثریت کسی طرح بھی بدلی نہیں جا سکتی اس لئے حقوق اور مفاد کی حفاظت کے لئے خاص انتظام ہونا چاہئے ۔ دوسری طرف ہندو کہتے تھے کہ ہندوستان کے مسلمان دوسرے مسلمان ملکوں سے مل گئے تو کیا ہوگا ۔ ان سوالوں کا جواب محمد علی جناح نہایت خلوص سے دیتے تھے ۔ مسلمانوں سے تو یہ کہتے تھے کہ ہندو تعداد میں کتنے ہی زیادہ کیوں نہ ہوں ، اگر انہوں نے کوئی زیادتی کی تو سات کروڑ مسلمانوں پر کبھی حکومت نہیں کر سکتے اور ہندوستان میں کبھی جمہوری نظام قائم نہیں رہ سکتا ۔ اگر مسلمانوں نے مخالفت کی ٹھان لی تو ہندوؤں کے لئے حکومت کرنا نا ممکن ہو جائے گا ۔ ہندو ایسے اندھے نہیں ہیں کہ اس کو دیکھ نہ سکیں ۔ دوسری طرف ہندوؤں سے کہتے تھے کہ ہندوستان کے مسلمانوں کے دوسرے مسلمان ملکوں سے تعلقات سے ڈر کی کوئی ضرورت نہیں ، کیونکہ ہندوستان کے مسلمان خود منظم نہیں اس لئے ملک کے باہر سے کوئی ان کی قطعی مدد نہیں کر سکتا ۔ مگر محمد علی جناح اس سے انکار نہیں کرتے تھے کہ ہندو مسلمانوں میں اختلاف موجود ہے جن کی بنیاد تاریخی اور معاشرتی جھگڑوں پر ہے ، ان اختلافات سے آنکھیں بند نہیں کی جا سکتیں ۔ ہندوؤں کی طرف سے اکثر یہ سوال بھی ہوتا تھا کہ آخر یہ چاہتے کیا ہیں ؟ مسلمان اپنے کوئی مطالبات تو واضح شکل میں پیش نہیں کرتے ۔ پھر اس کا جواب محمد علی جناح نے مسلم لیگ کی طرف سے جمہوری انداز میں دلوایا ۔ لیگ کے بمبئی کے اجلاس نے جو انہی کی صدارت میں ہوا تھا ایک کمیٹی مقرر کر دی جو یہ اندازہ لگائے کہ حکومت کے مختلف شعبوں میں مسلمانوں کے کیا حقوق ہیں ۔ ایک مسئلہ تو یہ تھا کہ ملک میں انتخابات کا طریقہ کیا ہونا چاہئے ۔ محمد علی جناح اپنی جگہ مخلوط انتخاب کے حامی تھے کیونکہ انہیں ذاتی طور پر ہندوؤں کی سیاسی بصیرت پر اعتماد تھا ۔ لیکن وہ اپنی رائے تمام مسلمانوں پر تھوپنا نہیں چاہتے تھے ۔ ان کا خیال تھا کہ اس کا فیصلہ ہندو اور مسلمان خود مل کر کریں ۔ اس مسئلے کے لئے محمد علی جناح نے بے حد محنت کی ۔

انہی کے اشارے سے دہلی میں ایک کانفرنس ۲۳ جنوری ۱۹۲۵ء کو ہوئی جس میں حصہ لینے کے لئے تمام پارٹیوں کو دعوت دی گئی ۔ اس میں ہندو برہمن اور غیر برہمن بھی تھے ۔ اس کانفرنس نے ایک کمیٹی مقرر کی اور اس نے ایک اور کمیٹی ۔ محمد علی جناح نے اس کانفرنس کے سامنے انتخاب کے لئے پانچ طریقے رکھے تھے ۔ ایک تو جداگانہ انتخاب اور تھوڑی تعداد کے فرقوں کو خاصی نمائندگی ، دوسرا آبادی کے مطابق نمائندگی ، تیسرا مقررہ نشستوں کے ساتھ مخلوط انتخابات ، چوتھا مناسب نمائندگی واحد قابل انتقال ووٹ کے ساتھ اور پانچواں مخلوط انتخابات بغیر کسی فرقہ وارانہ رعایت کے ۔ کمیٹی سے کوئی خاص نتیجہ نہ نکلا ۔ محمد علی جناح نے اس کی وجہ یہ بیان کی یہ لیڈر اس قابل نہیں تھے کہ اپنے عوام کی نمائندگی کر سکیں اور ان کو اپنے عوام کی طرف سے فیصلہ کرنے کا کوئی حق حاصل نہیں تھا ۔ انہوں نے پھر ایک بار اس پر زور دیا کہ ہندوؤں اور مسلمانوں کو پورے طور

سے منظم ہونا چاہئے تاکہ ان کی طرف سے ان کے لیڈر با اختیار ہوں اور جو فیصلے وہ کریں وہ اپنے سمجھدار عوام سے منوا سکیں ۔

آزاد پارٹی

اسی دوران میں محمد علی جناح نے دیکھا کہ مرکزی اسمبلی میں سوراج پارٹی کا رویہ محض حکومت کی خواہ مخواہ مخالفت کا ہے ۔ ان کے خیال میں یہ رویہ ملک کے لئے بہت نقصان دہ تھا ۔ آپ سمجھتے تھے کہ جو اصلاحات ملتی جائیں وہ قبول کر لینی چاہئیں اور مزید اصلاحات کے لئے جد و جہد جاری رکھنی چاہئے ۔ انہوں نے کہا کہ اگر ہم ایک جمہوری حکومت قائم نہیں کرسکتے تو کم از کم ایک نمائندہ حکومت تو قائم کر سکتے ہیں اور موجودہ فضا میں نمائندہ حکومت ہمارے نصب العین کی طرف پہلا قدم ہوگا ۔ مرکزی ایوان سوراج پارٹی سے اس اختلاف کی بنا پر انہوں نے استعفیٰ دے کر ایک آزاد پارٹی بنائی جس کے وہ لیڈر منتخب ہو گئے ۔

انتظامی اصلاحات

آزاد پارٹی کے ذریعے انہوں نے حکومت کی ان کارروائیوں کی پرزور حمایت کی جن سے ہندوستان کے باشندوں کو فائدہ پہنچ سکتا تھا ۔ ان کا خیال تھا کہ برطانوی حکومت آہستہ آہستہ اصلاحات دینے کا وعدہ کر چکی ہے ۔ اور صرف حکومت کا ساتھ دے کر ہی ان اصلاحات کی رفتار بڑھائی جا سکتی ہے ۔ لیکن حکومت کا ساتھ نہ دینے سے نقصان ہوگا اور اگر ہمارے ساتھ دینے کے بعد بھی حکومت نے اصلاحات میں رکاوٹ ڈالی تو حکومت دنیا میں منہ دکھانے کے قابل نہیں رہے گی ۔ آزاد پارٹی کے ذریعے انہوں نے فوجداری کے قانون اور ہندوؤں اور مسلمانوں کے متعلق قانون بنانے میں حکومت کا ساتھ دیا ۔ ریلوے کی کارکردگی ، باہر کے ملکوں میں ہندوستانی باشندوں کی دیکھ بھال ، کاروبار اور صنعتوں کی بہتری ، سکّوں اور نوٹوں کی بہتر تنظیم انہی کی کوششوں کا نتیجہ تھی ۔ اس کے علاوہ چند اور امور پر بھی انہوں نے کڑی نظر رکھی ۔ بچوں کی مفت اور عام تعلیم ، فوج میں ہندوستانیوں کی بھرتی ، حکومت میں ہندوستانیوں کی نمائندگی اور ان کی زیادہ سے زیادہ شرکت ، ملازمت کی اونچی اسامیوں پر ہندوستانیوں کا تقرّر اور ان کی انگلستان اور ہندوستان میں ساتھ ساتھ بھرتی ، مقررہ وقت پر سیاسی اصلاحات چند ایسے مسائل تھے جن میں محمد علی جناح کو کافی کامیابی ہوئی ۔ حقیقت میں جن شعبوں میں انہوں نے اصلاحات کروائیں ، ان

بچوں نے بھی مسلم لیگ بنائی تھی ۔ قائد اعظم لاہور کی بچہ مسلم لیگ کے اراکین کے ساتھ ۔

کی فہرست بہت لمبی ہے۔ یہ کہنا صحیح ہے کہ ہندوستان کے کسی اور واحد لیڈر نے اپنے ملک کے حالات سنوارنے میں اتنا بڑا کردار ادا نہیں کیا جتنا انہوں نے۔

محمد علی جناح کی کوشش ہی سے ۱۹۲۵ء میں حکومت کو مرکزی اسمبلی نے مشورہ دیا تھا کہ ہندوستان میں ایک فوجی کالج قائم کیا جائے۔ اس کی بنا پر حکومت ہند نے ایک کمیشن مقرر کیا کہ وہ اس سلسلے میں چھان بین کرے اور مفید رائے دے۔ اس کمیشن نے بعد میں ایک کمیٹی بنائی جس نے باہر کے ملکوں کا دورہ کرکے وہاں کے اس قسم کے اداروں اور کالجوں کا معائنہ کیا۔ یہ کمیٹی محمد علی جناح کی سرکردگی میں مقرر ہوئی تھی۔ اس طرح ڈیرہ دون میں ایک فوجی کالج کھلوانے میں وہ کامیاب ہوگئے۔

ہندوؤں کی مخالفت

صوبہ سرحد میں سیاسی اصلاحات کرنے کے لئے اگلے سال مرکزی اسمبلی میں مولوی سید مرتضیٰ کی طرف سے ایک قرار داد پیش ہوئی، ہندوؤں نے اس کی کھل کر مخالفت کی۔ اس قرار داد کے منظور نہ ہونے پر محمد علی جناح کو بہت افسوس ہوا، خاص طور پر اس وجہ سے کہ پنڈت موتی لال نہرو اور پنڈت مدن موہن لال مالویہ جو سمجھدار لیڈر سمجھے جاتے تھے، انہوں نے بھی اس کی مخالفت کی تھی۔ دنیا کے کسی ملک میں ایسی مثال شاید ہی ملے کہ اپنے ہی ملک کے باشندوں کی ترقی میں وہیں کے لیڈر اس طرح رکاوٹ بنے ہوں۔ بہر حال محمد علی جناح نے ہمت نہ ہاری اور اپنی کوشش میں کوئی کمی نہ آنے دی۔ اس واقعے سے ملک کے اتحاد کو سخت

لاہور میں طالب علموں کے ساتھ جس میں شیخ خورشید بھی ہیں جو بعد میں پاکستان کے وزیر قانون بنے۔

دھکا پہنچا۔ مسلمانوں کو اب پکا یقین ہو چلا تھا کہ جب کبھی مسلمانوں کے فائدے کی کوئی صورت نکلے گی ہندو اس میں روڑے اٹکائیں گے۔ اب انہیں دونوں طرف پورے زور سے لڑنا تھا۔ ایک طرف انگریزوں سے اور دوسری طرف ہندوؤں سے۔

مسلم لیگ کا اگلا اجلاس دھلی میں ہوا۔ اس میں ایک خاص قرار داد محمد علی جناح کی طرف سے پیش ہوئی، جس میں انہوں نے اپنے اور مسلمانوں کے نقطۂ نظر کی وضاحت کی کہ مسلم لیگ ذمے دار حکومت قائم کرنا چاہتی ہے اور برطانوی پالیسی بھی ہے کہ ہندوستان کے باشندوں کو اپنے ملک کے حالات سدھارنے کا موقع دیا جائے۔ ۱۹۱۷ء کے اعلان میں یہ پالیسی واضح کردی گئی ہے اور ۱۹۱۹ء کا آئین اسی پالیسی کے مطابق ہے۔ اب ضرورت ہے کہ اس آئین پر نظر ثانی کی جائے اور اس غرض کے لئے ایک کمیشن بٹھایا جائے تاکہ ملک میں ذمے دار

حکومت قائم ہو اور ہندوستان کے باشندے اپنی خوشی سے حکومت کا ساتھ دے سکیں۔ آئندہ دستور کے لئے انہوں نے مندرجہ ذیل پانچ اصول سامنے رکھنے پر زور دیا :-

۱ - اقلیتوں کو مؤثر نمائندگی حاصل ہو۔ لیکن ایسا اس طرح کیا جائے کہ اکثریتیں نہ اقلیتیں بن جائیں۔ اور نہ وہ کم ہو کر اقلیتوں کے برابر ہو جائیں۔

۲ - نمائندگی جداگانہ انتخاب کے اصول پر ہو۔

۳ - کوئی جغرافیائی تبدیلی ایسی نہ کی جائے جس سے پنجاب، سرحد اور بنگال میں مسلمانوں کی اکثریت میں فرق آجائے۔

۴ - مذہب کی پوری آزادی ہو۔

۵ - اگر کسی ایک فرقے کے تین چوتھائی ممبر کسی قرار داد کے اس وجہ سے خلاف ہوں کہ اس سے ان کے مفاد کو نقصان ہوگا، تو وہ قرار داد منظور نہ کی جائے۔

مسلم لیگ نے ایک کمیٹی بھی بنائی کہ وہ تجویزیں تیار کرے جنھیں غور و خوض کے بعد مسلم لیگ شاہی کمیشن کے سامنے پیش کر سکے۔ اس کمیٹی کے صدر محمد علی جناح مقرر ہوئے۔ اسی سال یعنی ۱۹۲۶ء میں بمبئی کے مسلمانوں نے پھر ان کو بلامقابلہ مرکزی اسمبلی کا ممبر چن لیا اور وہ آزاد پارٹی کے لیڈر ہو گئے۔ پانچ ماہ بعد انہوں نے ہندو مسلم سمجھوتے کے لئے ایک بار پھر جان توڑ کر کوشش کی۔ مارچ ۱۹۲۷ء میں ایک کانفرنس دہلی میں ہوئی جس میں انہوں نے مسلمانوں کو مخلوط انتخابات پر راضی کر لیا۔ یہ

اتنی بڑی قربانی تھی کہ اس کی مثال دنیا کی تاریخ میں ملنی مشکل ہے ۔ لیکن ہندو مسلم اتحاد کے لئے محمد علی جناح سچے دل سے کام کر رہے تھے اور ان کے کہنے پر مسلمان اتنی بڑی قربانی پر بھی راضی ہوگئے ۔ لوگوں نے کہا کہ محمد علی جناح کے ہاتھ میں جادو کا ڈنڈا ہے ۔ کچھ لوگ بولے کہ اتحاد کی راہ میں اتنی ٹھوکریں کھانے کے بعد بھی یہ شخص تھکا نہیں ۔ مگر ہندو یہاں بھی سودے بازی سے باز نہ آئے اور انہوں نے کہا کہ مسلمانوں کی اکثریت کے صوبوں کا حدود اربعہ بھی بدلا جائے ۔ اس طرح دھلی کی تجاویز بیکار ہوگئیں ۔ مسلمانوں نے محمد علی جناح کو بتایا کہ ہندوؤں کو آزادی سے کوئی سروکار نہیں بلکہ وہ ایک ایسا نظام چاہتے ھیں جس میں مسلمانوں کے اتحاد کو ختم کیا جا سکے ۔

سائمن کمیشن

اس سال نومبر کے مہینے میں ہندوستان کے لئے اصلاحات کی سفارش کرنے کی غرض سے حکومت برطانیہ نے ایک شاہی کمیشن مقرر کیا ۔ اس کے سربراہ سر جان سائمن تھے ۔ چنانچہ یہ کمیشن سائمن کمیشن کے نام سے مشہور ہوا ۔ اس کے سب ممبر انگریز تھے اس وجہ سے محمد علی جناح نے اس کی مخالفت کی اور ان کی رهنمائی میں اس کمیشن کا اتنا مکمل بائیکاٹ ہوا کہ ہندوستان کی تاریخ میں ایک مثال قائم ہوگئی ۔ کمیشن فروری ۱۹۲۸ء میں ہندوستان آیا اور ۵ مئی کو محمد علی جناح انگلستان چلے گئے تاکہ حکومت برطانیہ سے ہندوستان کی طرف سے احتجاج کریں ۔

وہ ۲۶ اکتوبر کو واپس آئے جب نہرو رپورٹ چھپ چکی تھی ۔ ہندوستان کے لوگ آپ کا بے چینی سے انتظار کر رہے تھے ۔ ان کے یہاں پہنچتے ھی ایک اخباری نمائندے نے ان سے ان کی رائے دریافت کی تو انہوں نے کہا کہ مسلم لیگ کے صدر ہونے کی حیثیت سے مجھے یہ حق نہیں ہے کہ جماعت کے فیصلے سے پہلے ھی اپنی رائے کا اظہار کروں ۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ کتنے جمہوریت پسند تھے ۔ نمائندہ ہونے کی حیثیت سے بھی انہوں نے کبھی کسی رائے کا اظہار نہیں کیا جب تک لوگوں سے مشورہ نہ کر لیا ہو ۔ ان کو خواہ مخواہ بیانات دینے کا بھی شوق نہیں تھا ۔

چودہ نکات

سال کے آخر میں پنڈت موتی لال نہرو نے تمام پارٹیوں کی ایک کانفرنس کلکتہ میں بلائی ۔ اور محمد علی جناح کو بھی دعوت بھیجی مگر ان کا خیال تھا کہ اس کانفرنس میں جانا اس وقت تک بیکار ہوگا جب تک مسلم لیگ معاملات پرغور نہ کر لے ۔ اس وجہ سے انہوں نے نہرو سے درخواست کی کہ وہ کانفرنس کچھ دن کے لئے ملتوی کردیں مگر جب نہرو نے ایسا کرنے سے انکار کردیا تو محمد علی جناح نے مسلم لیگ کا اجلاس کلکتہ ھی میں بلا لیا ۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ آئین کے متعلق اہم امور میں انہیں تعاون کرنے کی کتنی خواہش تھی اور وہ یہ نہیں چاہتے تھے کہ اس سلسلے میں کسی قسم کی بھی رکاوٹ ہو یا دیر لگے ۔ لیگ کا اجلاس بلانے کا مقصد یہ تھا کہ جو باتیں کانفرنس کے سامنے پیش ہوں ، ان کو

مسلمانوں کا پورا اعتماد حاصل ہو اور ان کی رضامندی کے بغیر کوئی بات کانفرنس میں ان کی طرف سے نہ کہی جائے - یہ محمد علی جناح کی جمہوریت پسندی تھی - اس کانفرنس میں مسلم لیگ کی طرف سے نہرو رپورٹ میں ترمیم کرنے کے لئے ایک قرار داد پیش ہوئی جو چودہ نکات کے نام سے مشہور ہوئی - یہ نکات محمد علی جناح نے تیار کئے تھے -

یہ نکات ہماری تاریخ میں بہت اہم ہیں - ان سے کچھ عرصہ پہلے خود مسلم لیگ کے ٹکڑے ہوگئے تھے - ان لوگوں میں آپس میں کچھ تو سائمن کمیشن کی وجہ سے ، کچھ دہلی کی تجاویز کی بنا پر اور کچھ نہرو رپورٹ پر جھگڑا ہوگیا تھا - محمد علی جناح نے چودہ نکات اس طرح تیار کئے تھے کہ ان کی وجہ سے لیگ ایک بار پھر اکٹھی ہوگئی - نہرو کی بلائی ہوئی کانفرنس نے ان نکات کی پرواہ نہ کی جس سے ہندو مسلم اتحاد پھر دور چلا گیا - کہا جاتا ہے کہ جس طرح چودہ نکات کی مخالفت اس کانفرنس میں ہوئی اس سے محمد علی جناح کو بہت ناامیدی ہوئی اور انھوں نے کہا کہ شاید ہندو لیڈر اس بات پر تلے ہوئے ہیں کہ ہندو اور مسلمان اپنے اپنے راستوں پر الگ الگ چلنے لگیں -

برطانوی وزیر اعظم کو مشورہ

اپریل ۱۹۲۹ء میں سائمن کمیشن نے اپنا کام ختم کرلیا اور جون کے مہینے میں لارڈ ارون جو اس وقت ہندوستان کے وائسرائے تھے چار مہینے کی چھٹی پر انگلستان چلے گئے - محمد علی جناح نے یہ موقع غنیمت جانا - انھوں نے برطانیہ کے وزیراعظم کو خط لکھا جس میں کہا کہ برطانیہ کو چاہیئے کہ وہ اپنے اس وعدے کا دوبارہ اعلان کرے کہ ہندوستان میں ایک ذمے دار حکومت قائم ہوگی اور وزیراعظم خود ہندوستانی لیڈروں کی ایک کانفرنس لندن میں بلائیں گے - محمد علی جناح نے ان باتوں کو اس وجہ سے ضروری ٹھہرایا کہ ایک تو ان کے خیال میں ہندوستان کے باشندوں کا اعتماد برطانیہ سے اٹھ گیا تھا ، دوسرے یہ کہ جب سائمن رپورٹ برطانیہ کی پارلیمنٹ کے سامنے پیش ہوگی تو اس کے سامنے سوائے ان خطوط کے اور کچھ نہیں ہوگا جو حکومت ہند کی طرف سے بھیجے گئے ہیں ، اور وہ ناکافی ہیں کیونکہ وہ ہندوستانیوں کے خیالات کی صحیح ترجمانی نہیں کرتے - اکتوبر میں جو اعلان وائسرائے نے انگلستان سے واپسی پر کیا اس میں یہ دونوں باتیں مان لی گئیں تھیں -

ہندوؤں کی طرف سے رکاوٹ

اس اعلان کے بعد ہندوستان بھر میں سیاسی سرگرمیاں بہت بڑھ گئیں - محمد علی جناح کے ہم‌خیال لیڈروں کا اجتماع بمبئی میں ہوا اور کانگرس کا دہلی میں - بمبئی کے اجلاس میں اس اعلان کو سراہا گیا لیکن دہلی کے اجلاس میں ہندوؤں نے ایسی شرطیں رکھ دیں جن سے ہندوستان کی تمام آئینی ترقی خطرے میں پڑجاتی تھی - ایک شرط تو یہ تھی کہ تمام بحث اس بنیاد پر ہو کہ آسٹریلیا اور کینیڈا کی طرح ہندوستان کو بھی نوآبادیات کا درجہ دیا جائے گا - دوسری شرط یہ تھی کہ لندن میں جو کانفرنس ہو رہی ہے اس میں کانگرس کے ممبر زیادہ بلائے جائیں - تیسری شرط

یہ تھی کہ تمام سیاسی قیدیوں کو رہا کیا جائے۔ اور چوتھی شرط یہ تھی کہ آج ہی سے ہندوستان کی حکومت اس طرح چلائی جائے جیسے یہ ملک دولت مشترکہ کی نو آبادی بن گیا ہو۔ محمد علی جناح نے ہندوؤں کو سمجھانے کی بہت کوشش کی، مگر انہوں نے ایک نہ سنی بلکہ سول نافرمانی کا اعلان کردیا۔

انگلستان کا سفر

محمد علی جناح کو اس سے بہت مایوسی ہوئی۔ انہوں نے بار بار درخواست کی کہ سول نافرمانی نہ کی جائے کیونکہ اس سے ملک کو نقصان ہوگا۔ ادھر وائسرائے نے بھی کہا کہ لندن کانفرنس (جو گول میز کانفرنس کے نام سے مشہور ہوئی) محض بحث مباحثہ کے لئے نہیں ہوگی بلکہ اس کی سفارشوں پر پوری طور سے غور ہوگا۔ محمد علی جناح نے اس وعدے کو کافی سمجھا اور وہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ کانفرنس میں شرکت کے لئے انگلستان روانہ ہو گئے۔ وہاں وہ اپریل ۱۹۳۴ء تک رہے اور کانفرنس میں حصہ لینے والوں اور حکومت برطانیہ پر زور ڈالتے رہے۔ انہوں نے وہاں وکالت شروع کردی تھی۔ کہا جاتا ہے کہ پارلیمنٹ کی ممبری کے لئے ان کا انتخاب لڑنے کا ارادہ تھا۔ ممکن ہے کہ یہ صحیح ہو اور بعد میں انہوں نے ارادہ بدل دیا ہو۔ اس کے علاوہ ۱۹۳۱ء کی گرمیوں میں لارڈ ویلنگڈن ہندوستان کے وائسرائے مقرر ہوگئے تھے۔ محمد علی جناح نے اس کو ہندوستان کی بے عزتی ٹھہرایا اور احتجاج کے طور پر انگلستان چلے گئے۔

پاکستان کی جھلک

الہ آباد میں دسمبر ۱۹۳۰ء میں مسلم لیگ کا سالانہ اجلاس ہوا۔ اس کے صدر علامہ اقبال تھے۔ انہوں نے اپنے خطبہ صدارت میں کہا کہ اب تک ہندوستان میں اندرونی اتحاد پیدا نہیں ہو سکا۔ وہ شاید اس لئے کہ ہم دل ہی دل میں ایک دوسرے پر حاوی ہونے کے خواہش مند ہیں۔ ان حالات میں علامہ اقبال نے کہا کہ ہمارے مسائل کا صرف ایک ہی حل ہے کہ شمال مغرب میں جہاں مسلمان اکثریت میں آباد ہیں وہ اپنی خود مختاری قائم کر لیں۔ اس طرح مولانا حسرت موہانی اور لالہ لاجپت رائے کی تجویزیں پھر زندہ ہوگئیں۔ فرق صرف اتنا تھا کہ علامہ اقبال کے خطبے میں صرف ان حصّوں کا ذکر تھا جو مغربی

علامہ اقبال۔

پاکستان میں شامل ہوئے جبکہ مولانا حسرت موہانی اور لالہ لاجپت رائے کی تجویزوں میں مشرقی بنگال کا بھی ذکر تھا۔ بہر حال علامہ اقبال کے خطبے کے نتیجے میں ہندوستان کا بٹوارہ کر دینے پر غور و فکر شروع ہو گیا۔ اپنے خطبے میں علامہ اقبال نے سب سے اہم بات یہ کہی کہ گول میز کانفرنس کی کارروائی سے اور اس میں جس ذہنیت کا ثبوت ہندوؤں نے دیا ہے اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ہندو اصل میں اس فکر میں ہیں کہ کسی طرح انگریزوں سے کوئی ایسی بات طے ہوجائے کہ انگریزوں کی حکومت اس ملک میں قائم رہے اور اس کے سائے میں ہندوؤں کو ہندوستان کے باقی باشندوں پر حاکم ہو جانے کا موقع مل جائے۔

گاندھی کی چالیں

اس کے فوراً بعد گاندھی کی رہنمائی میں کانگرس نے پلٹا کھایا اور بلا کسی شرط کے گول میز کانفرنس میں شرکت کرنے پر راضی ہو گئی۔ یہ بات گاندھی اروِن سمجھوتے سے طے پائی۔ اپنے مراسلات میں وائسرائے لارڈ اروِن نے حکومت برطانیہ کو یہ اطلاع دی ”مجھے ہندوستان میں کسی لیڈر سے خطرہ نہیں، اگر ہے تو محمد علی جناح سے ہے، کیونکہ یہی وہ شخص ہے جو ملک کی آزادی دل و جان سے چاہتا ہے، کسی اور لیڈر کو آزادی کی پرواہ نہیں۔ ان سب کو کچھ نہ کچھ لے دے کر راضی کیا جاسکتا ہے۔ اگر جناح نے اپنی بات ہندوستانیوں سے منوا لی جیسا مجھے یقین ہے کہ ایک نہ ایک دن وہ منوا لے گا تو پھر برطانیہ کے لئے ہندوستان میں رہنا مشکل ہو جائے گا اور ہندوستان میں برطانوی اقتدار کا خاتمہ ہو جائے گا۔“

میں نے ایک مرتبہ قائد اعظم سے پوچھا کہ اس کی کیا وجہ تھی کہ گول میز کانفرنس کے پہلے اجلاس کے بعد آئندہ نشستوں میں آپ کو نہیں بلایا گیا۔ انہوں نے کہا ”اس لئے کہ میں نے ہندوستان کی آزادی کے لئے سب سے زیادہ زور دیا تھا۔“

پارلیمانی بصیرت

بمبئی کے مسلمانوں نے اکتوبر ۱۹۳۴ء میں پھر بلا مقابلہ محمد علی جناح کو مرکزی اسمبلی کی ممبری کے لئے چن لیا۔ اس مرتبہ وہ ہندوستان میں بھی نہ تھے۔ یہ ایک ایسا اعزاز ہے کہ دنیا میں شاید ہی کسی سیاسی لیڈر کو نصیب ہوا ہوگا۔ گول میز کانفرنس کی تجاویز پارلیمنٹ کی مشترکہ کمیٹی نے نومبر میں منظور کیں اور ہندوستانی مرکزی اسمبلی میں ۵ فروری ۱۹۳۵ء کو پیش ہوئیں۔ محمد علی جناح نے ان کو تین حصّوں میں بانٹ دیا۔ ایک تو وہ حصہ جو فرقہ وارانہ فیصلے سے متعلق تھا اور دوسرا اور تیسرا حصّہ صوبائی اور مرکزی حکومت کے بارے میں تھا۔ پہلا حصّہ مسلمانوں کے لئے بہت اہم تھا۔ گول میز کانفرنس میں ہندوؤں اور مسلمانوں کے لیڈروں میں اتفاق نہ ہونے کی وجہ سے برطانیہ کے وزیر اعظم نے اپنی ذمے داری پر فیصلہ دیا تھا۔ اس فیصلے کو قبول کرنے کی سب فرقوں کے لیڈروں نے پہلے سے رضا مندی ظاہر کر دی تھی۔ مگر جب فیصلہ سنایا گیا اور وہ ایک حد تک مسلمانوں کے حق میں ہوا تو کانگرس نے اس کی

قائد اعظم مسلم لیگ کے دوسرے لیڈروں کے ساتھ۔

مخالفت کی ٹھانی۔ لیکن چونکہ ہندو اور مسلمان اور دوسرے فرقوں نے پہلے سے اس کی پابندی پر رضامندی ظاہر کردی تھی، اس لئے ہندوؤں نے یہ ترکیب نکالی کہ یہ تجاویز پوری کی پوری نا منظور کر دی جائیں، مگر محمد علی جناح کی ذہانت نے ایسا نہ ہونے دیا۔

اس سلسلے میں جو قرار داد محمد علی جناح نے پیش کی تھی اس میں کہا گیا تھا کہ جب تک ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان کوئی سمجھوتہ نہیں ہوتا، اس وقت تک کے لئے اس فرقہ وارانہ فیصلے کو منظور کر لیا جائے صوبوں کے لئے جو نظام حکومت تجویز کیا گیا تھا، اس کے متعلق محمد علی جناح کی قرار داد میں یہ رائے دی گئی تھی کہ ان میں بہت سی خامیاں ہیں اور جب تک یہ دور نہیں ہوتیں ہندوستان کے باشندوں کی تسلّی نہیں ہوگی۔ مرکز کے لئے جو نظام حکومت تجویز کیا گیا تھا، اسے بالکل غلط اور ناپسندیدہ ٹھہرایا گیا، اس لئے حکومت برطانیہ پر زور دیا گیا کہ ان پر نئے سرے سے غور کرے اور انہیں دوبارہ تیار کرے جب محمد علی جناح کی یہ قرار داد مرکزی اسمبلی میں پیش ہوئی تو فرقہ وارانہ فیصلے کے بارے میں کانگرس کو بے تعلق ہونا پڑا کیونکہ ہندوؤں نے اس فیصلے کے متعلق پہلے سے رضا مندی دے دی تھی۔ اور یہ حصّہ سب کی رائے سے منظور ہوگیا۔ صوبائی اور مرکزی حکومتوں کے بارے میں کانگرس کو محمد علی جناح کی آزاد پارٹی کا ساتھ دینا پڑا اور اس میں سرکاری ٹولے کو شکست ہوئی۔ اس قرار داد کی کامیابی سے محمد علی جناح کی پارلیمانی عظمت دوبالا ہوگئی۔ہندوؤں اور انگریزوں دونوں نے ان پر تہمت لگائی کہ چونکہ ان کی آزاد پارٹی جس طرف ہو جائے، اس کی اکثریت ہو جاتی ہے، اس لئے محمد علی جناح نے اپنی پارٹی کی اس حیثیت کا فائدہ اٹھایا اور کانگرس اور سرکاری پارٹیوں دونوں کو ہرا دیا۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ ان کی رہنمائی میں مسلمانوں کو ایک بار پھر دونوں

طرف اپنی سیاسی جنگ میں کامیابی ہوئی اور ساتھ ہی ساتھ محمد علی جناح کی عملی سیاست کا بول بالا ہو گیا۔

نیا قانون

اپریل ۱۹۳۵ء میں محمد علی جناح پھر انگلستان چلے گئے اور اکتوبر میں واپس آئے۔ ملک بھر ان کا انتظار کررہا تھا کیونکہ اس دوران میں برطانوی پارلیمنٹ نے ہندوستان کے لئے آئین کا قانون منظور کر دیاتھا ۔ محمد علی جناح نے آتے ہی حالات کا مطالعہ شروع کردیا اور نئے سال ہی سے مصروفیات شروع ہوگئیں۔ مرکزی اسمبلی میں انہوں نے ہر ایسی پیشکش کو خوش آمدید کہا جو ان کے خیال میں ملک کے لئے مفید ہو سکتی تھی۔ ان کی تقریریں اتنی مقبول ہوئیں کہ لوگوں کے دل میں ان کی وطن دوستی اور آزاد خیالی کی دھاک بیٹھ گئی۔ لاھور کی شہید گنج کی مسجد کے بارے میں سکھوں اور مسلمانوں میں جو جھگڑا ہو گیا تھا ، اس میں قائداعظم نے صلح کرانے کی جو کوششیں کیں ان کی بہت داد دی گئی اور ایک ایسی فضا پیدا ہوئی جس میں صلح کی امید پیدا ہوگئی۔

کانگرس کی چالیں
اور مسلم لیگ کی عملی سیاست

سیاسی سطح پر انھیں یہ فکر تھی کہ نیا آئین نافذ ہونے کے بعد ملک کونسا راستہ اختیار کرے۔ کانگرس نے آپس میں اختلاف ہونے کے باوجود انتخابات میں حصہ لینے کا فیصلہ تو کردیا تھا مگر حکومت بنانے کے سلسلے میں کوئی رائے نہیں دی تھی۔ دوسری طرف مسلم لیگ نے اپنے بمبئی کے اجلاس میں محمد علی جناح کی قرار داد منظور کرتے ہوئے یہ طے کیا تھا کہ جہاں تک صوبائی حکومتوں کا تعلق ہے نئے آئین میں خامیوں کے باوجود اس حصّے پر عمل شروع ہوجانا چاھئے ، مگر مرکز سے متعلق حصہ اس وقت تک نافذ نہیں ہونا چاھئے جب تک کہ وہ بدلا نہ جائے۔ اس اجلاس میں محمد علی جناح کی صدارت میں انتخابات کے لئے ایک بورڈ بنایا گیا۔ جس نے ہندوستان بھر میں امیدوار کھڑے کئے۔ مسلم لیگ کو ان انتخابات میں اتنی کامیابی ہوئی کہ اس کے کارکنوں کو بھی حیرانی ہوئی۔ مسلم اکثریت کے صوبوں میں مسلم لیگ کے نمائندوں کی سرپرستی میں حکومتیں قائم ہوگئیں۔ لیکن چونکہ کانگرس نے حکومتیں بنانے سے انکار کر دیا تھا ، اس لئے ہندو اکثریت کے صوبوں میں گورنروں نے اپنی اپنی حکومت نامزد کردی ، جن میں مسلمان بھی شامل تھے یہ نقشہ کانگرس کے لیڈروں سے نہ دیکھا گیا اور انہوں نے اپنی پالیسی بدل کر صوبائی حکومتوں میں داخل ہونا قبول کر لیا ان حکومتوں کے قائم ہونے سے پہلے محمد علی جناح نے پھر کانگرس سے درخواست کی کہ وہ مسلم لیگ کے ساتھ مل کر تمام صوبوں میں حکومتیں بنائے۔ ان کا خیال تھا کہ اس طرح ہندو مسلم اتحاد کی راہ ہموار ہوسکے گی مگر کانگرس نے ان کی پرواہ نہ کی۔

مسلمانوں پر مظالم

ہندوؤں کے جن صوبوں میں کانگرسی حکومتیں

بنی تھیں وہاں مسلمانوں پر اتنے ظلم ڈھائے گئے کہ کانگرس پر سے مسلمانوں کا رہا سہا اعتبار بھی اُٹھ گیا۔ دوسری طرف مسلم لیگ کا وقار بہت بڑھ گیا۔ اکتوبر ۱۹۳۷ء میں لیگ کا اجلاس لکھنئو میں ہوا، وہاں محمد علی جناح نے جو اس کے صدر تھے، بنگال اور پنجاب کی اسمبلیوں کے مسلمان ممبروں کو دعوت دی کہ وہ مسلم لیگ میں شامل ہوجائیں۔ اس کے بعد یہ دونوں حکومتیں مسلم لیگ کی حکومتیں کہلانے لگیں۔ صوبہ سرحد اور صوبہ سندھ کے بہت سے مسلمان ممبر بھی لیگ میں شامل ہو گئے۔ اس اجلاس میں یہ بات کھل گئی کہ کانگرس نے لیگ کے خلاف کھلی جنگ کا عہد کر رکھا تھا۔

مسلم لیگ کے خلاف کارروائیاں

لکھنئو میں محمد علی جناح نے بڑی ذہانت، بردباری، دلیری اور سیاسی بصیرت کا مظاہرہ کیا اور مسلمانوں نے آپ کو قائد اعظم کا خطاب دیا۔ اب مسلمانوں کی نظر میں ان کی شخصیت بہت عظیم ہوگئی تھی اور ہندوؤں کو خطرہ ہو چلا تھا کہ ان سے نمٹنا بہت مشکل ہوگا۔ انہوں نے طرح طرح کے منصوبے بنانے شروع کئے کہ کسی طرح مسلم لیگ کی بڑھتی ہوئی جمہوری طاقت کو روکا جائے اور کسی طرح قائد اعظم کی مقبولیت میں رکاوٹ ڈالی جائے۔ قائد اعظم کو

۱۹۴۰ء میں قائد اعظم لیگ کی مجلس عاملہ کے اراکین کے ساتھ جس میں بیگم محمد علی بھی شامل تھیں۔
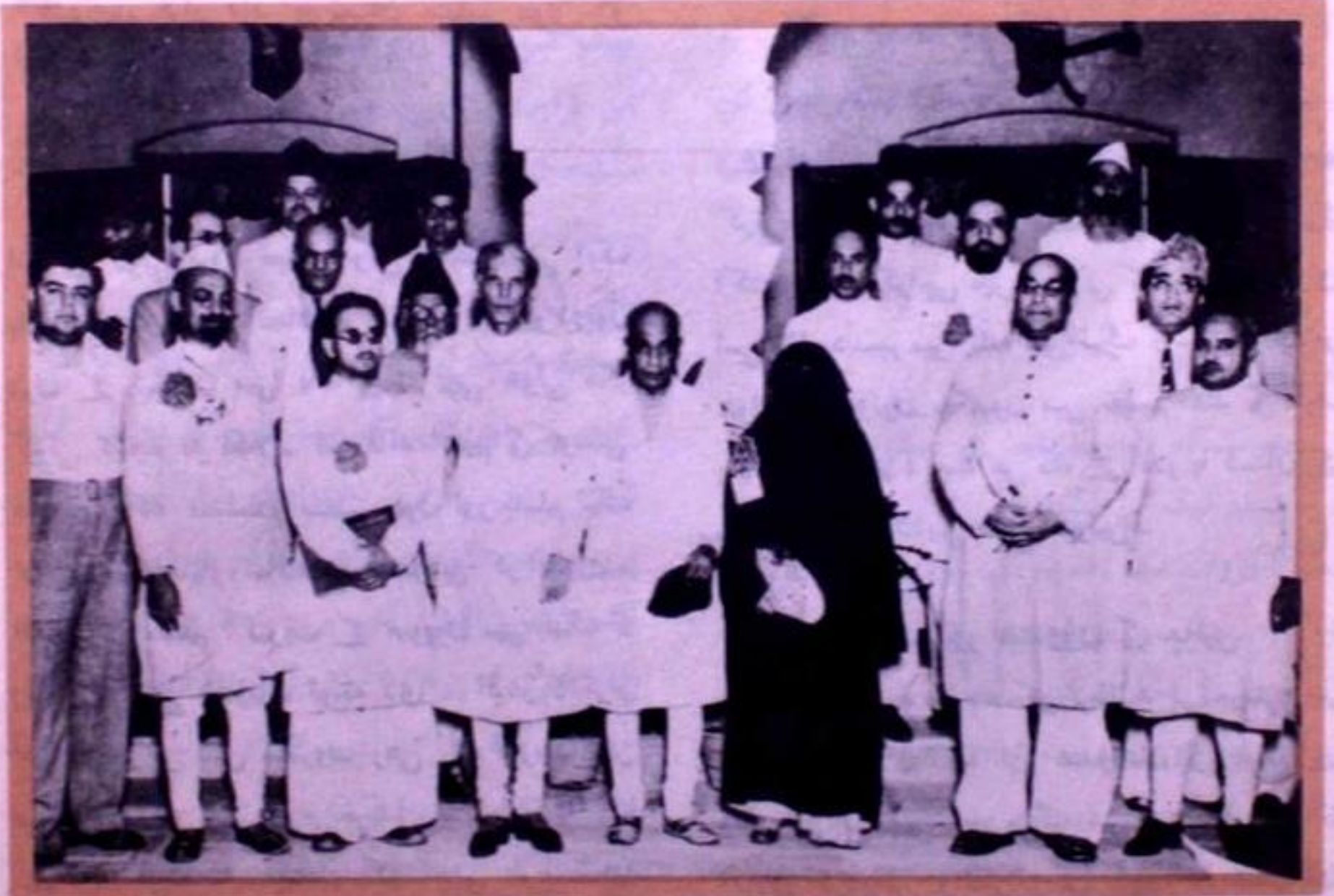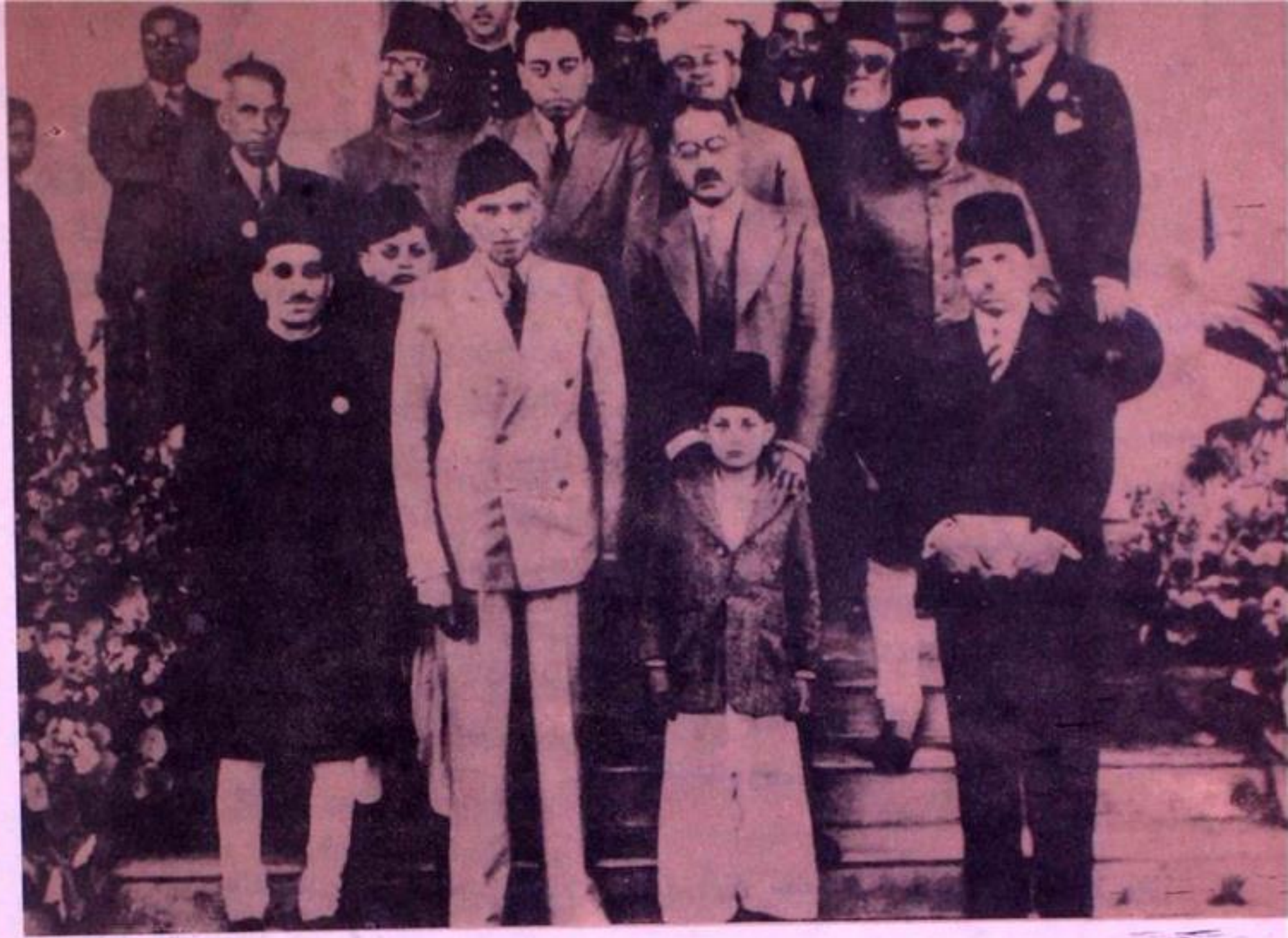
لاہور میں قرار داد پاکستان منظور ہونے کے فوراً بعد ۔

اس کی کوئی پرواہ نہیں ہوئی ۔ انہوں نے ایک بار پھر ہندو مسلم اتحاد کی کوشش کی اور دونوں طرف کے لیڈروں میں بات چیت بھی ہوئی مگر کوئی نتیجہ نہ نکلا ۔ اب قائد اعظم کی کوشش یہ تھی کہ مسلمان منظم ہوں اور مسلم لیگ ان کی با اختیار نمائندہ جماعت بن کر ابھرے ۔ انہوں نے مسلم اکثریت کے صوبوں میں لیگ کا وقار قائم کرنے پر زیادہ توجہ دی ۔ ادھر کانگرس اس ادھیڑ بن میں مصروف رہی کہ صوبوں میں مسلمانوں کو کس طرح خریدا یا دبایا جا سکتا ہے ۔ مسلمان اس کھیل کو اچھی طرح سمجھ رہے تھے ۔ ان کے لیڈر اب ہندوستان کو تقسیم کرنے پر گہرا غور کر رہے تھے ۔ ۱۹۳۸ء کے اکتوبر میں کراچی میں صوبائی کانفرنس ہوئی اور اسی سال دسمبر میں پٹنہ میں لیگ کا سالانہ اجلاس ہوا ۔ ان دونوں جگہوں میں تقسیم ہند کی طرف رجحانات بڑھے ۔ چند ہی ماہ کے اندر پاکستان کے متعلق پانچ کتابیں شائع ہوئیں ۔

دوسری جنگ اور ہندوؤں کی چالیں

۳ ستمبر ۱۹۳۹ء کو برطانیہ نے جرمنی سے جنگ کا اعلان کیا اور ہندوستان کی طرف سے وائسرائے نے بھی اس جنگ میں شریک ہونے کا اعلان کردیا ۔ وائسرائے نے کہا کہ ہندوستان

کے نئے آئین کا مرکزی حصّہ ملتوی کردیا گیا ہے۔ مسلمانوں نے اس اعلان کو سراھا۔ لیکن ہندوؤں میں مایوسی کی لہر دوڑ گئی، کیونکہ اب ان کے لئے مرکزی حکومت میں شامل ہونے اور مسلمانوں پر دباؤ ڈالنے کی امیدوں پر پانی پھر گیا تھا۔ انہوں نے طے کیا کہ اس آڑے وقت میں برطانیہ پر دباؤ ڈالا جائے تاکہ ان سے مرکز میں اقتدار حاصل کرنے کے لئے سودے بازی کی جا سکے۔ اس سلسلے میں انہوں نے پہلا داؤ یہ چلا کہ اکتوبر ۱۹۳۹ء میں کانگرس نے صوبائی حکومتوں سے استعفے دے دئے۔ قائد اعظم نے اس کی کاٹ یوں کی۔ انہوں نے مسلمانوں سے کہا کہ وہ ۲۲ دسمبر کو "یوم نجات" منائیں۔ جوسارے ملک میں مسلمانوں نے بہت دھوم دھام سے منایا۔ اس کی کامیابی نے کانگرس کا گھمنڈ مٹی میں ملادیا اور انگریز بھی اپنا سا منہ لے کر رہ گئے "یوم نجات" سے یہ ثابت ہوگیا کہ مسلمانوں کو یہ حکومتیں سخت نا پسند تھیں اور ان کے ختم ہونے سے جنگ کی جد و جہد میں کمی نہیں آئے گی۔

قرار داد لاہور

جیسا کہ ہمیں معلوم ہے بمبئی کے اجلاس میں مسلم لیگ نے کہا تھا کہ آئین کا مرکزی حصّہ اس وقت تک نافذ نہ کیا جائے جب تک اسے بدلا نہ جائے۔ اس سلسلے میں وائسرائے سے قائد اعظم کی خط و کتابت اسی زمانے سے شروع ہوگئی تھی اور جب یہ اعلان ہوا کہ یہ حصّہ جنگ شروع ہونے کی وجہ سے ملتوی کردیا گیا ہے تو قائد اعظم نے مطالبہ کیا کہ ملتوی ہونا ہی کافی نہیں، اسے منسوخ ہونا چاہئے، بلکہ ہندوستان کے آئین پر نئے سرے سے غور ہونا چاہئے۔ اب سوال یہ تھا کہ مسلمان کس قسم کا دستور چاہتے ہیں۔ مارچ ۱۹۴۰ء میں لاہور میں مسلم لیگ کا سالانہ اجلاس ہوا۔ جس میں وہ مشہور قرار داد منظور ہوئی جسے قرار داد لاہور یا قرار داد پاکستان بھی کہتے ہیں۔ اس قرارداد میں مطالبہ کیا گیا کہ جن صوبوں میں مسلمان اکثریت میں ہیں وہاں انہیں حق ہونا چاہئے کہ اپنی الگ حکومت قائم کر سکیں۔ جو آئین اس اصول کے خلاف بنے گا وہ مسلمانوں کو قبول نہیں ہوگا۔ قائد اعظم نے کہا کہ ہندوستان کی تاریخ سے پتہ چلتا ہے کہ ملک کی سیاسی الجھن کا صرف یہی ایک حل ہے اور صرف اسی سے ملک جلد سے جلد آزاد ہونے کی امید کر سکتا ہے اور ہندوستان اور پاکستان کے باشندوں میں صرف اسی طرح خودداری پیدا ہو سکتی ہے۔ اس قرارداد کے منظور ہوتے ہی ہندوؤں نے مسلمانوں کو کوسنا شروع کردیا۔ کچھ نے مسلمانوں کو اپنے ہی فیصلے کے نتائج سے ہوشیار رہنے کی تنبیہ کی۔ کچھ نے کہا کہ اپنے لیڈروں پر بھروسہ مت کرو، یہ تمہارا فائدہ نہیں چاہتے۔ کچھ نے اپنے آپ کو مسلمانوں کا دوست کہنا شروع کیا۔ غرض کہ چاروں طرف سے ہندوؤں نے مسلمانوں کی خیر خواہی کے دم بھرنے میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی۔ واردھا سے گاندھی کی آواز اٹھی کہ برطانیہ کو چاہئے وہ اس تجویز کو فوراً رد کردے اور اسے ہرگز قبول نہ کرے۔ دوسری طرف مسلمان اس قرار داد کے اصول پر اس طرح ڈٹ گئے کہ انہوں نے ایک آواز سے کہا کہ

ہم برطانیہ سے بھی اس کے خلاف کوئی بات نہیں سنیں گے۔ اس بات پر مسلمان اس طرح اکٹھے ہو گئے کہ گھر گھر میں اس کا چرچا ہونے لگا۔ سوائے ان مسلمانوں کے جو کانگرس کا ساتھ دیتے چلے آئے تھے، اس لئے کھلم کھلا اس قرارداد کی حمایت نہیں کر سکتے تھے، کوئی مسلمان ایسا نہیں تھا جو پاکستان کے لئے اپنی جان تک دینے کو تیار نہ ہو۔ یہ بھی کہا گیا کہ عوام کے سامنے اصل مسئلہ تو روٹی کپڑے کا ہے۔ وہ تو معاشی خوشحالی چاہتے ہیں، چاہے حاکم ہندو ہوں یا مسلمان، قرار داد پاکستان جذباتی فیصلہ ہے، چند ہی دنوں میں مسلمانوں کی آنکھیں کھل جائیں گی اور وہ آپ ہی اس فیصلے کو رد کردیں گے۔ پھر کہا گیا کہ مذہب کی بنیاد پر کوئی حکومت قائم نہیں ہو سکتی۔ یہ اصول ہی ایک سرے سے غلط ہے۔ قائد اعظم خاموشی سے یہ تماشہ دیکھتے رہے۔ لیکن انہیں یقین تھا کہ مسلم لیگ کا پیغام دلوں میں اتر چکا ہے۔ اب چاہے ہندو ہوں یا انگریز، مسلمان کسی کی مخالفت سننے کے لئے تیار نہیں ہوں گے۔

دو واقعات

میں ایک روز لاہور کی قرار داد کے چند ہی ماہ بعد بمبئی کی محمد علی روڈ کے کنارے پیدل جا رہا تھا۔ میں نے دیکھا کہ ایک لڑکے نے جس کی عمر شاید دس سال کی ہوگی، کسی چیز سے ٹھوکر کھائی اور گر پڑا۔ اس کے سر میں چوٹ آئی اور خون بہنے لگا۔ لڑکے نے جب سر سے خون پونچھا تو اس کو دیکھ کر رونے لگا۔ وہاں سے ایک نوجوان گزر رہا تھا اس نے اس لڑکے کو ملامت کی اور کہا کہ مسلمان کا بچہ ہو کر ذرا سے خون بہہ جانے سے روتا ہے بچے نے کہا کہ میں اس لئے نہیں روتا کہ خون بہہ گیا بلکہ اس لئے روتا ہوں کہ یہ ضائع جا رہا ہے۔ میں نے تو یہ خون پاکستان حاصل کرنے کے لئے رکھ چھوڑا ہے۔ جب میں نے یہ واقعہ قائد اعظم کو سنایا تو ان پر بہت اثر ہوا۔ انہوں نے کہا کہ اگر ہمارے مخالفوں کو عقل آ گئی اور ان کی نیتوں میں فتور نہ ہوا تو انشا اللہ ایک قطرہ بھی خون بہنے کی نوبت نہیں آئے گی اور اگر انہوں نے ہٹ دھرمی سے کام لیا تو خون دونوں طرف سے بہے گا۔ مجھے امید ہے کہ پاکستان کے مخالف بھی یہ نہیں چاہیں گے کہ خون بہے۔

لاہور کے بعد مسلم لیگ کا سالانہ اجلاس

۱۹۴۰ء ہی کی ایک اور تصویر۔

۱۹۴۱ء میں مدراس میں ہوا سفر کے دوران قائد اعظم کی طبیعت خراب ہوگئی۔ اور وہ اجلاس کے بعد آرام کرنے کی غرض سے کچھ دن کے لئے اوٹاکمنڈ چلے گئے۔ یہ پہاڑی راستہ انہوں نے موٹر کار کے ذریعے طے کیا۔ یہ لگ بھگ اسّی میل کا فاصلہ تھا۔ راستے میں جگہ جگہ آپ کو رکنا پڑا کیونکہ وہاں کے دیہاتیوں نے ان کے استقبال کا انتظام کر رکھا تھا۔ ایک چھوٹے سے گاؤں میں جہاں آبادی مشکل سے سو ہوگی وہاں کے لوگوں نے چائے کا بندوبست کر رکھا تھا۔ انہوں نے اصرار کیا کہ قائد اعظم گاڑی سے اتر کر دیہاتیوں سے خطاب کریں۔ موسم خوشگوار تھا لمبے سفر کی وجہ سے بیٹھے بیٹھے قائد اعظم تھک بھی گئے تھے۔ اس لئے وہ راضی ہو گئے۔ جب چائے پی جا رہی تھی تو اس تقریب سے دور ایک لڑکا جس کی عمر مشکل سے نو سال کی ہوگی نعرے لگا رہا تھا ''مسلم لیگ زندہ باد،، ،''قائد اعظم زندہ باد،، ''پاکستان لے کے رہیں گے۔،، اس کے بدن پر پھٹے پرانے چیتھڑوں کے سوا اور کچھ نہ تھا۔ قائد اعظم نے یہ دیکھا تو انہوں نے میزبان سے کہا کہ اس لڑکے کو میرے پاس لایا جائے۔ جب یہ لڑکا آیا تو بیچارہ سہم گیا لیکن جب قائد اعظم نے اسے پیار سے اپنے پاس بٹھایا تو اس کی ہمت بندھی۔ قائد اعظم نے اس سے پوچھا تم نعرہ لگاتے ہو کہ پاکستان لے کے رہیں گے، مگر کیا تمہیں یہ بھی معلوم ہے کہ پاکستان کس چیز کو کہتے ہیں، اس بچے نے ادھر ادھر دیکھا تو سب کے چہروں

پر مسکراہٹ تھی - اس کی ضرور ہمت بندھی ہوگی - اس نے جواب دیا - ''مجھے اس کے سوا اور کچھ نہیں معلوم کہ جہاں ہندو ہوں وہاں ہندوؤں کی حکومت اور جہاں مسلمان ہوں وہاں مسلمانوں کی حکومت ہونی چاہئے -،، قائد اعظم نے کہا کہ ''شاباش - لاہور کی قرار داد کی اس سے بہتر اور کوئی وضاحت نہیں ہو سکتی -،، جب ہم اوٹا کمنڈ پہنچے تو قائد اعظم نے مجھ سے کہا ''تعجب ہے اس جگہ نہ کوئی اخبار آتا ہے ، نہ ان دیہاتیوں کے پاس ریڈیو ہے ، پھر اس بچے کے ذہن میں پاکستان کے متعلق اتنی صحیح تعریف کیسے آئی -،، پھر وہ تھوڑی دیر کے لئے خاموش ہو گئے اور کہا ''شاید اب پاکستان کو کوئی نہیں روک سکے گا -،،

حکومت کی کوشش اور کانگرس کی ہٹ دھرمی

جنگ عظیم چھڑتے ہی وائسرائے نے یہ خواہش ظاہر کی تھی کہ مسلم لیگ اور کانگرس میں بات چیت کا سلسلہ شروع ہوتا کہ صوبوں میں دونوں جماعتوں کو مشترکہ طور پر حکومت کی ذمے داریاں سونپی جاسکیں - ان کا خیال تھا کہ اس سے شاید مرکز میں بھی اس قسم کی ملی جلی حکومت بنائی جاسکے گی - جس سے جنگ کی کامیابی کے لئے مل جل کر امداد مل سکے گی - یہ تجویز کانگرس نے ایک سرے سے ٹھکرادی لیکن قائد اعظم اور وائسرائے کے درمیان بات چیت جاری رہی - جولائی ۱۹۴۰ء میں قائد اعظم نے شملہ میں اپنی تجویزیں پیش کر دیں - اس میں آئندہ کے لئے تو یہ کہا گیا تھا کہ برطانیہ اس امر کا اعلان کرے کہ ہندوستان کے بنیادی آئین پر دوبارہ غور ہوگا اور اس میں کوئی بات ایسی نہیں رکھی جائے گی جسے مسلمان پہلے سے منظور نہ کر لیں - اس کا مطلب یہ تھا کہ آئین میں کوئی تبدیلی ایسی نہیں ہوگی جو مسلم لیگ کی لاہور کی قرار داد کے خلاف ہو - جنگ کی کامیابی کے لئے یہ تجویز دی گئی تھی کہ وائسرائے کو چاہئے کہ وہ اپنی انتظامی کونسل کو وسیع کریں اور اس میں اگر کانگرس شریک ہو تو مسلم لیگ کو آدھی نشستیں دی جائیں اور اگر انکار کرے تو مسلم لیگ کو ساری نشستیں دی جائیں کیونکہ ایسی صورت میں جنگ میں مدد دینے کی ساری ذمہ داری مسلم لیگ پر ہوگی - دوسرے جن صوبوں میں دستور کی دفعہ ۹۳ کے تحت گورنروں کی حکومت ہے وہاں مشیر نامزد کئے جائیں اور تیسرے ایک کونسل ایسی بنائی جائے جو جنگ کے معاملات کا جائزہ لیتی رہے - اس کونسل کے صدر وائسرائے خود ہوں اور ریاستوں کے سربراہوں کو بھی شامل کیا جائے - اس کونسل میں نمائندگی کا تناسب وہی رکھا جائے جو انتظامی کونسل کا ہو لیکن ہرحالت میں مسلمانوں کی نمائندگی کا حق صرف مسلم لیگ کو ہونا چاہئے -

سرکاری اعلانات

اگست ۱۹۴۰ء میں وائسرائے اور وزیر ہند کی طرف سے دو اعلانات ہوئے - ان میں اشارہ تھا کہ جو تجویزیں قائد اعظم نے پیش کی ہیں وہ برطانیہ کے لئے قابل قبول ہیں - کانگرس اور ہندوؤں کو یہ بہت شاق گزرا اور انہوں نے اعلان شدہ اصولوں کی مخالفت شروع کردی -

مسلمانوں کی سیاست کے متعلق تمام فیصلے مسلم لیگ کی مجلس عاملہ کے اجلاسوں میں ہوتے تھے۔ اس میں ہندوستان بھر کے منتخب قائدین شریک ہوتے تھے اکثر یہ اجلاس کئی دن تک جاری رہتے تھے اور اُن میں بڑی سرگرمی سے بحث ہوتی تھی مسلم لیگ کا صدر دفتر دریا گنج دہلی میں تھا۔ مجلس عاملہ کی یہ دو تصویریں اُنہی اجلاسوں کی یادگار ہیں۔

اس کام کے لئے دو طریقے استعمال کئے گئے۔ ایک تو یہ جنگ کی کامیابی میں ہندوستان کی طرف سے مدد میں رکاوٹ ڈالی جائے تاکہ انگریزوں پر دباؤ پڑ سکے اور کانگرس نے انفرادی سول نافرمانی کا پروگرام بنایا۔ جماعتی حیثیت سے سول نافرمانی اس وجہ سے ترک کر دی گئی کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ حکومت کانگرس کو خلاف قانون جماعت قرار دے دے جس سے مسلم لیگ کو کھلا موقعہ مل جائے گا۔ دوسرا طریقہ یہ اختیار کیا گیا کہ مسلمانوں کو مسلم لیگ سے توڑ کر کانگرس یا حکومت ہند کا ہم خیال بنایا جائے تاکہ مسلم لیگ اور قائد اعظم کے اقتدار اور ان کی نمائندہ حیثیت کو کم کیا جاسکے۔ اس کام میں انگریزوں نے بھی ہندوؤں کا ساتھ دیا اور قائد اعظم کو مسلمانوں کی آزادی کی جد و جہد کے دو محاذوں پر ایک بار پھر توجہ دینی پڑی ایک طرف انہیں ہندو سے لڑنا پڑا اور دوسری طرف انگریزوں سے۔

مسلمان نوجوان اپنے آپ کو پاکستان کے سپاہیوں کی وردی میں دیکھنا پسند کرتے تھے اور بہت جوش و خروش سے اجلاسوں میں شریک ہوتے تھے ۔

انہوں نے دونوں کو تنبیہہ کی کہ ان غلط کاموں کے نتیجے اچھے نہیں ہوں گے ۔ انہوں نے کہا کہ یہ بات بالکل ظاہر ہے کہ ہندو یا کانگرس دل سے آزادی نہیں چاہتے ۔ انہوں نے سول نافرمانی صرف اس لئے شروع کی ہے کہ جب برطانیہ خود جنگ میں پھنسا ہوا ہے اس پر بغاوت کے ذریعے اتنا دباؤ ڈالا جائے کہ وہ کانگرس کو سارے ہندوستان کی نمائندہ جماعت تسلیم کرنے پر مجبور ہو جائے ۔ اور اس طرح انگریزوں سے کوئی ایسا معاہدہ ہو سکے جس سے برطانیہ کی طاقت، سر پرستی اور برتری کے سائے میں مسلمانوں اور اقلیتوں پر ہندو راج کرنے لگیں ۔ قائد اعظم نے دراصل وہی بات زیادہ مؤثر پیرائے میں کہی جو علامہ اقبال نے دس سال پہلے الہ آباد میں کہی تھی ۔ قائد اعظم نے گاندھی کے ایک مضمون کا حوالہ دیتے ہوئے کہا کہ گاندھی نے خود ان دوغلے مقاصد کا اعتراف کیا ہے اور کہا ہے کہ ہندوؤں کی اکثریت در اصل صرف کاغذوں میں ہے ، ورنہ فوجی اعتبار سے وہ بہت کمزور ہیں ۔ اس لئے اگر کوئی قوم انگریزوں کی حکومت ہندوستان میں برقرار رکھنا چاہتی ہے تو وہ صرف ہندو قوم ہی ہے ۔ قائد اعظم نے کہا کہ یہ مضمون کانگرس کی ۱۰ اکتوبر ۱۹۳۹ء کی قرار داد کے چند ہی روز بعد لکھا گیا تھا اور یہ حیرانی کی بات ہے کہ اس قرار داد میں کانگرس نے مکمل آزادی کا مطالبہ کیا تھا ۔ یہ کس قسم کی دیانتداری ہے کہ ایک طرف تو مکمل آزادی مانگی جائے اور دوسری طرف یہ کہا جائے کہ ہم تو انگریزی حکومت برقرار رکھنا چاہتے ہیں ۔

حکومت کا غلط اندازہ

ادھر حکومت نے بھی کچھ اسی قسم کی حرکت کی ۔ یہ دیکھ کر کہ کانگرس نے ہندوستان کے دفاع میں تعاون کرنے سے بالکل انکار کردیا ہے ، وائسرائے نے یہ مناسب سمجھا کہ مسلم لیگ کو بھی اعتماد میں لینا اور اس کی امداد قبول کرنا بھی ٹھیک نہیں ۔ لیکن ساتھ ساتھ یہ بھی فیصلہ کردیا کہ ایک ڈیفنس کونسل مقرر کردی جائے ۔ اور انہوں نے بنگال کے وزیر اعظم فضل الحق ، آسام کے وزیر اعظم سر سعد اللہ خان اور پنجاب کے وزیر اعظم سر سکندر حیات خان کو اس میں شامل ہونے کی دعوت دی جو انہوں نے قبول کر لی ۔ قائد اعظم نے اس پر احتجاج کیا اور کہا کہ ان وزرائے اعظم کو مسلم لیگ کے ممبر ہونے کی وجہ سے مسلم لیگ کے صدر سے پوچھے بغیر ڈیفنس کونسل کی ممبری قبول کرنے کا حق نہیں ہے ۔ انہوں نے یہ بھی کہا کہ وائسرائے کی یہ کارروائی مسلم لیگ کو کمزور کرنے کے لئے ہے ۔ اور ایسی

کارروائی کسی دیانت دار حکومت کے شایان شان نہیں ۔ حکومت نے اپنی صفائی میں کہا کہ ان حضرات کو محض ان کے اپنے اپنے صوبے کے وزیر اعظم ہونے کی وجہ سے ڈیفنس کونسل میں شامل کیا گیا ہے ۔ لیکن جو خط و کتابت حکومت اور قائد اعظم کے درمیان ہوئی تھی اور جو بیان حکومت برطانیہ کی طرف سے پارلیمنٹ میں دیا گیا تھا اس سے صاف ظاہر تھا کہ ان حضرات کو مسلمانوں کے نمائندوں کی حیثیت سے نامزد کیا گیا تھا ۔ اس لئے جب یہ معاملہ مسلم لیگ کی مجلس عاملہ میں پیش ہوا تو قائد اعظم کو ان حضرات کو قائل کرنے میں کوئی مشکل نہیں ہوئی اور ان تینوں میں سے دو یعنی سر سکندر حیات اور سر سعد اللہ نے اس کونسل سے الگ ہونے کا اعلان کر دیا ۔

مسلم لیگ کو کمزور کرنے کی کوشش

اس واقعے کے بعد مسلم لیگ اور قائد اعظم کا وقار سب کی نظروں میں بڑھ گیا ، یہاں تک کہ بہت سے ہندو لیڈروں نے قائد اعظم کی وطن دوستی اور آزاد خیالی کی تعریف کی ۔ جو لوگ مسلم لیگ پر غلامانہ ذہنیت کا الزام لگاتے تھے وہ ششدر رہ گئے اور ان کی زبان پر مہر لگ گئی ۔ لیکن پھر بھی بنگال میں مسلم لیگ پر ایک حملہ ہوا ۔ مولوی فضل الحق اور نواب ڈھاکہ نے مسلم لیگ چھوڑ کر ایک نئی پارٹی بنائی اور کانگرس اور انگریزوں سے مل کر نئی صوبائی حکومت قائم کر لی اس واقعے نے یہ ظاہر کر دیا کہ ہندو اور انگریز دونوں ہی مسلم لیگ کی بڑھتی ہوئی طاقت سے ڈرتے ہیں ۔ اور اس کو روکنے کے لئے گندی سیاست سے بھی گریز نہیں کرتے اس سے بنگال کے

اوپر
قائد اعظم پاکستان کے نوجوانوں کے ساتھ جن کی تنظیم اور اعلیٰ کردار پر قائد اعظم بہت زور دیتے تھے ۔
نیچے
قائد اعظم اور نواب زادہ لیاقت علی خان برطانیہ کے کیبنٹ مشن کے اراکین کے ساتھ ۔

مسلمانوں میں خود داری کی لہر دوڑ گئی اور چند ہی دن میں انہوں نے اپنے آپ کو منظم کر لیا ۔ ان کے اصرار پر قائد اعظم کو مسلم لیگ سے مولوی فضل الحق کو نکال باہر کرنا پڑا ۔

جاپان کی شمولیت اور کرپس مشن

جنگ عظیم نے ۱۹۴۲ء میں خطرناک صورت اختیار کرلی تھی - انگریزوں کے خلاف جاپان بھی شامل ہوگیا تھا - اس نے جنوبی ایشیا میں تہلکہ مچا رکھا تھا - ہندوستان پر کئی حملے ہو چکے تھے - اور برطانیہ کو ہندوستان کے دفاع کی طرف سے سخت تشویش تھی - اس لئے برطانیہ کی طرف سے سر سٹیفورڈ کرپس ایک اعلان کا مسودہ لے کر ہندوستان آئے ، جس میں ہندوستان کا نیا آئین بنانے کے لئے ایک مجلس آئین ساز قائم کرنے کا ذکر تھا جو جنگ ختم ہونے کے بعد قائم کی جانی تھی - اور اس طرف بھی اشارہ تھا کہ اگر کچھ حصّے یا صوبے مرکزی حکومت سے الگ ہونا چاہیں تو انہیں اس کا اختیار ہوگا - دفاع اور جنگ کی ضرورت پر زور دیتے ہوئے فوری طور پر مرکز میں ذمے دار حکومت قائم کرنے کے لئے بھی تجویزیں تھیں - کانگرس نے انہیں اس لئے نامنظور کردیا کہ ان میں صوبوں کے الگ ہونے کی گنجائش موجود تھی - چنانچہ کرپس ناکام واپس چلے گئے -

ہندوؤں کی سازش

اب ہندوؤں کے لئے صرف ایک ہی مسئلہ رہ گیا تھا کہ کسی طرح انگریزوں کو اپنے ساتھ ملا لیا جائے کہ وہ ہندوستان کی حکومت ہندوؤں کے حوالے کردیں اور اس طرح ہندوستان کے مسلمانوں پر ہندو راج کرنے لگیں - اس کے لئے گاندھی نے ایک نئی ترکیب نکالی - پہلے تو انہوں نے کہا کہ قائد اعظم آزادی نہیں چاہتے اور میں اب آزادی کے لئے ان کی رضامندی کا انتظار نہیں کرسکتا - گاندھی کو یہ اچھی طرح معلوم تھا کہ قائد اعظم کے بارے میں اس سے بڑا جھوٹ اور کوئی نہیں ہو سکتا - گاندھی نے دوسری بات یہ کہی کہ جب تک ایک تیسری طاقت یعنی انگریز ہندوستان میں موجود ہے ملک کے وہ لوگ جوسکھ چین سے نہیں رہ رہے وہ انگریزوں سے مدد مانگتے رہیں گے اور وہ مدد ان کو ملتی رہے گی اس طرح انگریز ہندوستان میں چمٹے رہیں گے اور ملک آزاد نہیں ہو سکتا - سکھ چین سے محروم لوگوں سے ان کا مطلب مسلمانوں سے تھا - یہ بھی ایک بہت بڑا جھوٹ تھا اور گاندھی یہ بھول گئے تھے کہ محب وطن لوگوں کو یہ یقین ہو گیا تھا کہ اصل میں گاندھی اور ہندو آزادی نہیں چاہتے اور ان کی نیتیں خراب ہیں - گاندھی نے تیسری بات یہ کہی کہ انگریزوں کو ہندوستان چھوڑ کر چلے جانا چاہئے ، مگر ایک منظم طریقے سے - ان کا خیال اس سے یہ تھا ”ہندوستان چھوڑ دو ،، کا نعرہ تو ہندوستانیوں کو پسند آئے گا اور منظم طریقے پر ہندوستان چھوڑنے کا مشورہ سازش کے لئے کام آئے گا - اس ڈرامے کو قائد اعظم نے خوب سمجھا اور گاندھی کے اس ڈھول کی پول کھول دی - ادھر انگریز بھی اچھی طرح جانتے تھے کہ ہندوؤں کی بغاوت ہمارے لئے اتنی خطرناک نہیں ہوگی جتنی مسلمانوں کی بغاوت ہوگی - وہ اچھی طرح جانتے تھے کہ ہندوؤں کی بغاوت تو صرف ایک دکھاوا ہوگی ورنہ اصل میں تو یہ ایک سودے بازی کی چال ہوگی - لیکن کہیں مسلمانوں نے اگر بغاوت

برطانیہ کے ایک وزیر سر اسٹیفورڈ کرپس ۱۹۴۲ء
میں کچھ تجاویز لے کر ہندوستان آئے کیونکہ
اس وقت برطانیہ کو جنگ لڑنے کے لئے ہندوستان
کی مدد کی بہت ضرورت تھی ۔ آنھوں نے اصلاحات
کا وعدہ بھی کیا آن کی تجاویز مسلم لیگ نے
منظور کرلیں لیکن ہندوؤں نے آنھیں رد کر دیا
اور وہ ناکام واپس گئے ۔

کرنے کا فیصلہ کر لیا تو پھر حالت نازک ہو
جائے گی ۔ ان حالات میں انگریزوں کو یہ فیصلہ
کرنا پڑا کہ یا تو ہندوؤں کے ساتھ مل کر اپنی
حکومت کی زندگی بڑھائیں اور ساتھ ہی ساتھ
مسلمانوں کی بغاوت مول لے لیں اور یا پھر عدل
و انصاف کی آڑ لے کر جب تک کام چلے ، چلائیں ۔
جنگ کی وجہ سے انگریزوں کے پاس نہ اب اتنی

طاقت رہ گئی تھی کہ بغاوت کو روک سکیں اور نہ اتنی دولت رہ گئی تھی کہ سیاسی لیڈروں کو خرید سکیں ۔ اب یہی صورت رہ گئی تھی کہ انصاف کیا جائے ۔ قائد اعظم کی سیاسی دور اندیشی نے انگریزوں کو اس دوراہے پر لا کھڑا کیا تھا اور وہ انصاف کرنے پر مجبور ہو گئے تھے ۔

بنگال کا المیہ

اس زمانے میں بنگال میں کال پڑا اور وہ کیوں پڑا ، یہ بھی ایک تاریخی سوال ہے ۔ وہاں کی زمین اس قدر زرخیز ہے کہ وہاں کال پڑنا انسان کی سمجھ سے باہر ہے ۔ ممکن ہے اس کی وجہ یہ ہو کہ حکومت ہند نے بنگال کی حکومت ان لوگوں کو ساتھ ملا کر بنائی تھی جن کے ساتھ نہ تو عوام تھے اور نہ وہ تھے جن میں انتظامی قابلیت تھی ۔ لہذا ان کو پتہ ہی نہیں چل سکا کہ کال پڑنے والا ہے یہ بات بھی قابل غور ہے کہ بنگال میں ہندوؤں کے پاس دولت تھی اور مسلمان بیچارے غریب تھے اور پھر وہاں کا ہندو بنیا دکھاوے کے لئے تو کہتا تھا کہ میں محب وطن ہوں مگر چھپ کر دولت بنانے کی فکر میں رہتا تھا ۔ اس طرح بنگال کے کال سے ظاہر ہوا کہ وہاں کے لیڈروں نے بنی نوع انسان کی بڑی مصیبت سے فائدہ اٹھانے میں بھی کوئی کسر باقی نہیں رکھی ۔ خوش قسمتی سے وہاں جلد ہی مسلم لیگ کی حکومت قائم ہوگئی اور لارڈ ویول وائسرائے ہو کر آئے ۔ ان دونوں نے مل کر بنگال کو مٹ جانے سے بچا لیا ۔

کراچی میں دیانت داری کا آغاز

دسمبر ۱۹۴۳ء میں مسلم لیگ کا اجلاس کراچی میں ہوا ۔ اجلاس میں قائد اعظم نے بڑے دکھ کے ساتھ کہا کہ مجھے اس بات سے بہت افسوس ہوتا ہے کہ انگریز اور ہندو دونوں ہی میری باتوں اور کاموں کا غلط مطلب لیتے ہیں اور مجھ پر جھوٹے الزام لگاتے ہیں کہ مجھے وطن سے محبت نہیں ہے ۔ انہوں نے کہا کہ میرا دل صاف ہے اور میں جو اصول پیش کرتا ہوں وہ عدل و انصاف کے اصول ہیں ، اور انہی پر عمل کرنے سے ہندوستان جلد سے جلد آزاد ہو سکے گا ۔ اگر ہندو ، مسلمانوں کے مطالبات کا اصول تسلیم کرلیں تو پھر انگریزوں سے گفت و شنید آسان ہوجائے گی کیونکہ پھر انگریزوں کے سامنے جو مطالبہ پیش کیا جائے گا وہ سارے ملک کا مطالبہ ہوگا ۔ قائد اعظم نے پیشین گوئی کی کہ ایک نہ ایک روز ایسا ہو کر رہے گا ، اس لئے یہ جتنی جلد ہو سکے اچھا ہے ۔ وہ یہی بات بار بار کہتے رہے ۔ چند ماہ بعد مرکزی اسمبلی میں کانگرس نے مسلم لیگ کا ساتھ دیا اور مالیات کی بحث میں سرکاری پارٹی ہار گئی ۔ یہ فضا بھی قائد اعظم کی سیاسی قابلیت سے پیدا ہوئی تھی اس واقعے سے ہندوستان بھر میں قائد اعظم کی قابلیت کی دھوم مچ گئی اور ان کی سیاسی دور اندیشی کا سب نے لوہا مان لیا ۔ اس طرح کانگرس اور مسلم لیگ کے مل کر کام کرنے کی جو صورت نکل آئی تھی ، اس سے حکومت ڈر گئی اور اس کی کاٹ کرنے کے لئے حکومت ہند نے گاندھی

کو جو اس وقت جیل میں تھے کسی شرط کے بغیر رہا کر دیا ۔ حکومت کا خیال تھا کہ کانگرس اور مسلم لیگ میں سمجھوتہ ہو جانے کی جو صورت نکل رہی تھی ۔ گاندھی کے رہا ہو جانے سے وہ ختم ہو جائے گی اور ہوا بھی ایسا ہی ۔ ایک طرف تو گاندھی اپنی عادت کے مطابق اس کوشش میں لگ گئے کہ مجھے سارے ہندوستان کا سیاسی نمائندہ سمجھ لیا جائے ۔ دوسری طرف ہندو لیڈروں نے نئے نئے شوشے چھوڑنے شروع کردئے ۔ کہا گیا کہ گاندھی کے دل میں تبدیلی آچکی ہے ۔ اس طرح انگریزوں کو یہ دھمکی دی گئی کہ اگر انگریزوں نے ہندوؤں کا ساتھ نہ دیا تو ہندو مسلم لیگ سے مل کر انگریزوں کا ہندوستان میں رہنا مشکل کردیں گے ۔ اس فضا میں گاندھی نے وائسرائے سے بات چیت شروع کی ۔ وہ قائد اعظم سے بھی ملے مگر سمجھوتے کی کوئی صورت نہ نکلی ۔ اصل میں گاندھی کو مسلم لیگ سے سمجھوتے کی کوئی خواہش ہی نہیں تھی ۔ یہ سب کچھ وہ صرف دکھاوے کو کر رہے تھے ۔ اس کے بعد بہت سی چالیں چلی گئیں ۔ ایک طرف تو کچھ سرمایہ داروں نے یہ کہنا شروع کیا کہ ہندوستان میں انگریزوں کا جو سرمایہ ہے اسے

قرار داد پاکستان کے منظور ہونے کے بعد ہندوستان کے مسلمان نوجوانوں نے تنظیم میں بہت بڑا حصہ لیا اور کارکنوں کی حیثیت سے لاکھوں نے اپنے اپنے علاقوں میں جماعتیں قائم کیں ۔ یہ تصویر سندھ کے نوجوانوں کی ایک تنظیم کی یادگار ہے ۔

ہندوستانی اپنے قبضے میں لے لیں۔ یہ بات صرف انگریزوں کو ڈرانے کے لئے کہی گئی تھی دوسری طرف صرف نام کے غیر جانبدار لیڈروں نے اپنے مشورے پیش کئے۔ سرحد کے صوبے میں کانگرس نے اپنے ممبروں کو وزارت بنانے کی اجازت دے دی۔ ان چالوں کا مقصد انگریزوں کو ڈرانے کے سوا اور کچھ نہیں تھا۔ صوبوں میں سودے بازی اور رشوت ستانی کا بازار گرم تھا۔

نئی تجویزیں، شملہ کانفرنس

جون ۱۹۴۵ء میں وائسرائے نے اپنی تجویزوں کا اعلان کیا اور کہا کہ ان کا کوئی تعلق ملک کے آئندہ آئین سے نہیں بلکہ یہ ۱۹۳۵ء کے آئین کے اندر ھی رہ کر جاپان سے لڑائی جیتنے کا نسخہ ھیں۔ ان تجویزوں کی رو سے مرکزی حکومت میں ھندوؤں اور مسلمانوں کو ایک جیسی نشستیں ملنی تھیں اور ھندو اچھوتوں اور سکھوں کے لئے ایک ایک نشست ھونی تھی۔ ان تجویزوں پر غور کرنے کے لئے شملہ میں کانفرنس ھوئی۔ قائد اعظم نے وائسرائے کے سامنے دو مطالبے رکھے ایک تو یہ کہ مسلمانوں کے نمائندے نامزد کرتے وقت وائسرائے مسلم لیگ

کیبنٹ مشن کی ایک دوسری تصویر۔ بائیں سے دائیں طرف مسٹر الیگزنڈر، قائد اعظم، لارڈ پیتھک لارنس اور سراسٹیفورڈ کرپس جو دوبارہ پھر آئے تھے۔
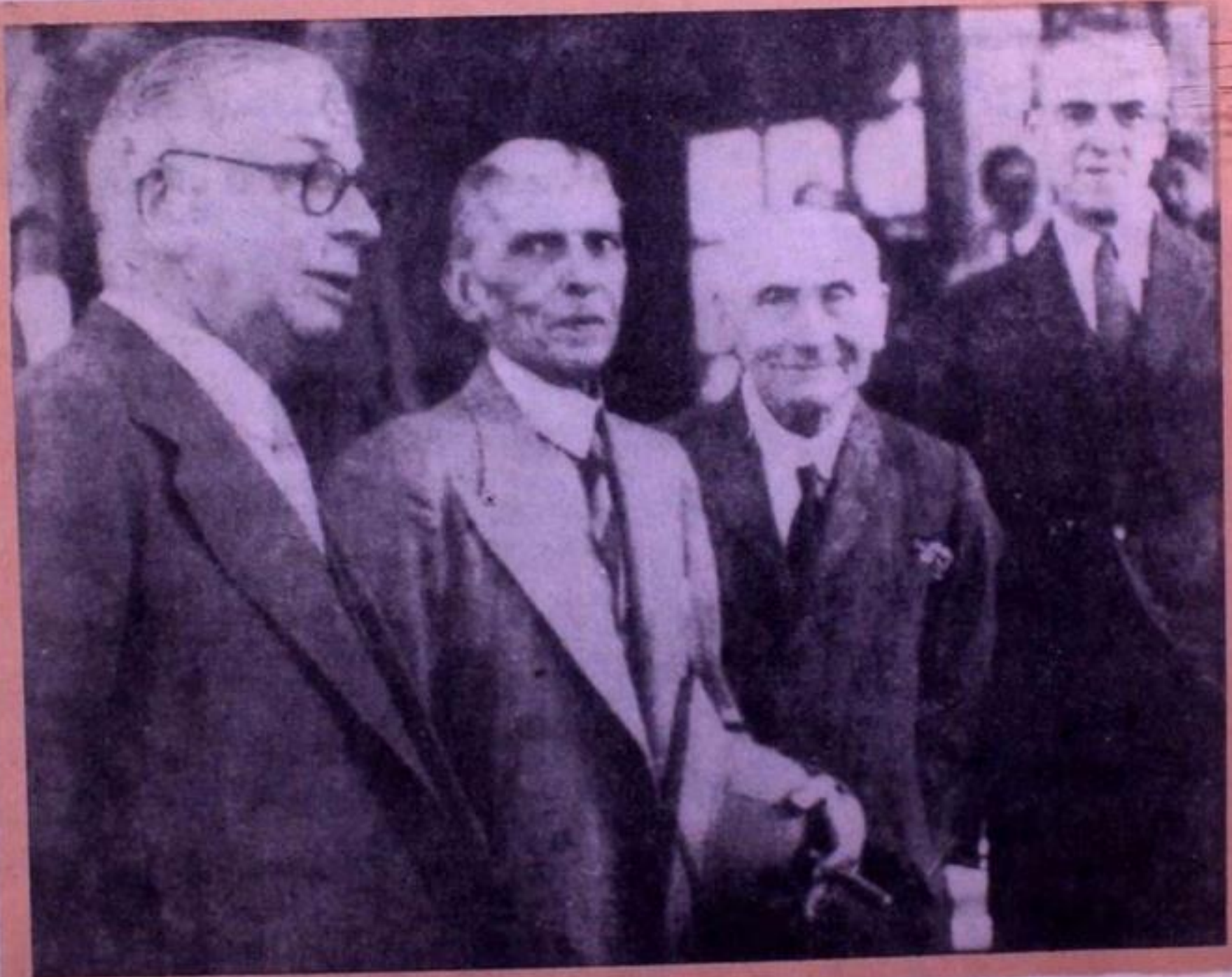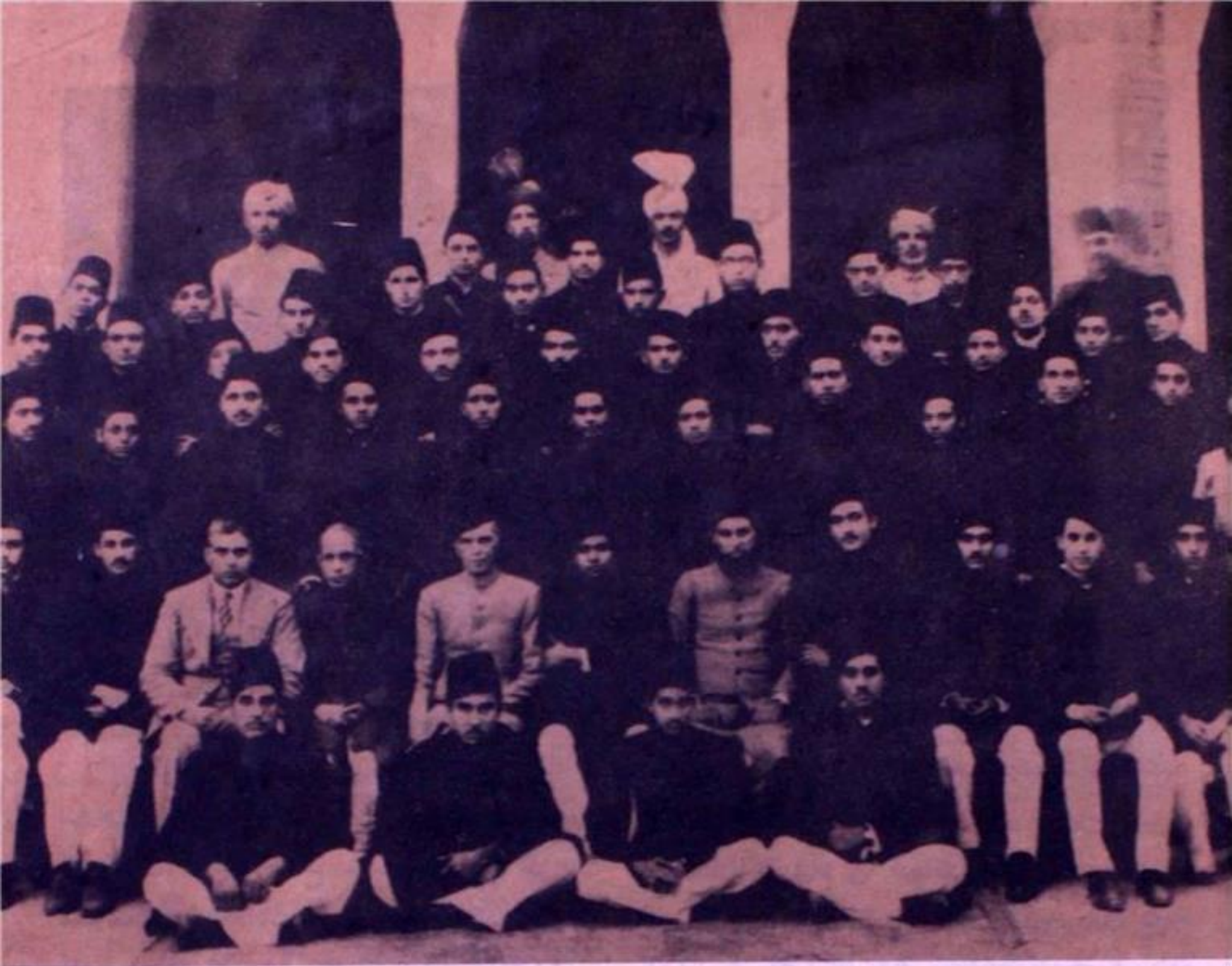
کے صدر کے مشورے سے انتخاب کرے ، دوسرے یہ کہ ویسے تو مرکزی حکومت میں ہندوؤں اور مسلمانوں کی تعداد برابر ہوگی ، لیکن ہندو اچھوتوں اور سکھوں کی ایک ایک الگ نشست کی وجہ سے مسلمان کم ہوجائیں گے اس لئے وائسرائے کو کوئی ایسا طریقہ سوچنا ہوگا جس سے مسلمانوں کے حقوق کو کوئی نقصان نہ پہنچ سکے۔ وائسرائے نے یہ دونوں مطالبے نا منظور کردئے۔ شملہ کانفرنس کے بعد کانگرس نے حکومت ہند کا کھلم کھلا ساتھ دینا شروع کر دیا اور اس کے لیڈر جو اب تک ہڑتالیں کراتے پھرتے تھے اب ان ہڑتالوں کو رکوانے میں لگ گئے۔

قائد اعظم طالب علموں کو حالات سے آگاہ کرنا اپنا فرض سمجھتے تھے وہ کہا کرتے تھے کہ طالب علموں کو چاہئے کہ پہلے اپنی تعلیم مکمل کریں سیاست میں حصہ لینا اُن کا کام نہیں۔ لیکن حالات کا مطالعہ اُن کا فرض ہے۔ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی وہ سال میں ایک مرتبہ ضرور جاتے تھے۔

کیبنٹ مشن

اگلے سال ۲۳ مارچ کو برطانیہ کے تین وزیر یعنی لارڈ پیتھک لارنس ، اسٹیفورڈ کرپس اور

قائد اعظم جواہر لال نہرو کے ساتھ۔

اے۔وی۔الگزنڈر ہندوستان آئے۔ اس وقت اتحادیوں کو جاپان پر مکمل فتح حاصل ہو چکی تھی۔ ہندوستان میں انتخابات ہو چکے تھے اور مسلم لیگ کو بے حد کامیابی ہوئی تھی۔ صوبوں میں پارٹی حکومتیں قائم ہو گئیں تھیں۔ کچھ صوبوں میں کانگرس کے ممبروں میں آپس میں جھگڑا ہو گیا تھا اور کچھ صوبوں میں کانگرس کی وزارتیں قائم ہوگئیں تھیں۔ مسلمانوں کی اکثریت والے صوبوں میں کانگرس نے انتہائی زور لگایا کہ کہیں بھی مسلم لیگ کی حکومت قائم نہ ہونے پائے۔ کانگرس نے ہندو صوبوں میں مسلم لیگ سے ملنے کی کوئی کوشش نہیں کی۔ لیکن مسلم صوبوں میں کانگرسی ممبروں کو دوسروں سے مل جانے کی اجازت تھی، چاہے وہ وزارتیں بنانے کے لئے ہو، چاہے اسمبلی میں حکومت سے اختلاف کرنے والی پارٹی بنانے کے لئے۔ یہ وہ حالات تھے جب برطانوی وزیروں کا یہ وفد ہندوستان آیا۔

دھلی میں قانون سازوں کا اجلاس

اپریل کے مہینے میں قائد اعظم نے دھلی میں مرکزی اور صوبائی اسمبلیوں کے مسلم لیگی ارکان کا اجلاس بلایا۔ جس میں تقریباً پانچ سو اراکین نے پاکستان کے حلف نامے پر دستخط کئے۔ اس مہینے میں برطانوی مشن نے ملاقاتیں شروع کیں۔ مشن کی تجویزوں میں پاکستان کے سلسلے میں مبہم سے اشارے تھے۔ پھر بھی قائد اعظم کی قیادت میں مسلم لیگ نے ان پر رضا مندی ظاھر کر دی، کیونکہ آئندہ چل کر ان تجویزوں میں پاکستان کے قیام کی گنجائش نکل سکتی تھی۔ اس فیصلے کو دنیا بھر نے پسند کیا اور برطانیہ کے اخبارات نے لکھا کہ سیاسی دور اندیشی کے اعتبار سے یہ فیصلہ نہایت عقلمندانہ ھے۔ لیکن ہندو اخباروں نے یہ سمجھا کہ مسلم لیگ اپنے مقام سے نیچے اتر آئی ھے اور اگر اسے اور دبایا گیا تو اپنا نصب العین چھوڑ بھاگے گی۔

وائسرائے کا اعلان

کچھ دن بعد وائسرائے نے عبوری مرکزی حکومت کی کونسل مقرر کرنے کا اعلان کردیا۔ اس میں پانچ نشستیں کانگرس کے اونچی ذات کے ہندوؤں کے لئے اور ایک نیچ ذات کے لئے، پانچ مسلم لیگیوں کے لئے، ایک پارسی، ایک عیسائی

۱۹۴۶ء کی سردیوں میں قائد اعظم بات چیت کے لئے لندن تشریف لے گئے۔ وہاں سے واپسی پر انہوں نے مصر کے زعما سے مصر میں ملاقات کی جہاں ان کا بہت جوش و خروش سے استقبال کیا گیا۔ اس تصویر میں نہاس پاشا قائد اعظم کے داهنی طرف هیں اور نوابزادہ لیاقت علی خان انکے پیچھے کھڑے هیں۔

اور ایک سکھ کے لئے تھیں۔ اس طرح کل نشستیں چودہ تھیں اور ان میں قائد اعظم کا نام شامل تھا۔ ان ناموں کا اعلان کرتے وقت وائسرائے نے کہا تھا کہ اگر کوئی پارٹی اس مرکزی کونسل میں شامل هونے سے انکار کرے گی تو وہ اس پارٹی کا تعاون قبول کر لیں گے جس نے رضامندی ظاهر کی هوگی۔ کانگرس نے عبوری حکومت کے قیام کی تجویز کو رد کردیا۔ لیکن مسلم لیگ نے اسے منظور کر لیا۔ خیال تھا کہ وائسرائے اپنے اعلان کے مطابق اب مسلم لیگ کے تعاون سے مرکزی کونسل بنائیں گے۔ لیکن ایسا نہیں هوا اور انہوں نے سرے سے کونسل مقرر کرنے کا خیال هی ترک کر دیا۔ اس سے مسلمانوں میں رنج اور غصے کی لہر دوڑ گئی اور انہیں ایک بار پھر محسوس هوا کہ انگریز کے ارادے هرگز نیک نہیں۔

مسلم لیگ کا جواب

جولائی ۱۹۴۶ء میں مسلم لیگ کونسل کا اجلاس بمبئی میں هوا۔ جس میں لیگ کا عبوری حکومت میں شامل هونے کا فیصلہ واپس لیا گیا۔ اور ساتھ هی ساتھ یہ فیصلہ بھی کیا گیا کہ انگریزوں کو ان کی هٹ دھرمی کا جواب دیا جائے۔ قائد اعظم نے مسلمانوں کی راهنمائی کی اور کہا

کیبنٹ مشن کی ایک ملاقات سے پہلے قائد اعظم ہندوستان کے وائسرائے لارڈ ویول سے ہاتھ ملا رہے ہیں ۔ ملاقاتیں بہت اہم تھیں مگر ہندوؤں نے ان کو کامیاب نہیں ہونے دیا ۔ اور آخر پاکستان کی ضرورت سب پر عیاں ہوگئی ۔

کہ آپ کو معلوم ہونا چاہئے کہ آپ کا کوئی دوست نہیں اور جب تک آپ اپنے حالات خود ہی نہ سنواریں گے، آپ کے عزت و آبرو سے زندہ رہنے میں آپ کی کوئی مدد نہیں کرسکتا ۔ مسلم لیگ نے اپنی قرار داد میں کہا کہ جن مسلمانوں کو سرکار کی طرف سے خطاب ملے ہوئے ہیں وہ اپنے خطاب واپس کردیں ۔ جب یہ فیصلہ سنایا گیا تو جو لوگ وہاں موجود تھے انہوں نے بہت خوشی اور جوش کا اظہار کیا اور قریب آدھ گھنٹے تک تالیاں بجتی رہیں ۔ وہ منظر بھی عجیب و غریب تھا کہ ایک کے بعد ایک خطاب والا مسلمان جو وہاں اس وقت موجود تھا صدر کی کرسی کے قریب آکر اپنا خطاب واپس کرنے کا اعلان

کر رہا تھا ۔ وائسرائے نے طے کیا کہ مرکزی کونسل کی سربراہی جواہر لال نہرو کو سونپ دی جائے ۔ اور ۲۴ اگست کو اس کا اعلان ہوگیا اس میں تین کانگرسی مسلمان تھے اور کہا گیا تھا کہ دو اور مقرر ہوں گے ۔ ہندو اخبارات نے اس وزارت کو قومی حکومت کا نام دیا ۔ ۱۶ اگست کو مسلم لیگ نے یوم راست اقدام (Direct Action Day) منانے کا اعلان کیا تھا تاکہ مسلم لیگ کا پیغام عوام تک پہنچایا جاسکے ۔ ہندوؤں نے اس کی سخت مخالفت کی ۔ کلکتے میں اس روز شدید فساد ہوئے ۔ اور رفتہ رفتہ یہ آگ تمام ہندوستان میں پھیل گئی ۔ لیکن مسلم اکثریت کے علاقوں میں امن رہا ۔

چھوڑ دینے سے بھی مسلمانوں اور اقلیتوں کا مفاد خطرے میں پڑ جائے گا۔ وائسرائے کی تجویز کے مطابق مسلم لیگ کو پانچ نمائندے نامزد کرنے کا حق حاصل ہے۔ اس لئے پانچ نام بھیجے جاتے ہیں۔ ان ناموں کا وائسرائے نے فوراً اعلان کردیا۔ ان میں ایک نام نیچ ذات کے ہندو جوگندر ناتھ منڈل کا بھی تھا۔ ان واقعات سے ہندوستان کی سیاسی فضا بدل گئی اور اس کے کئی اثرات سامنے آئے۔ ایک تو یہ کہ مسلم لیگ کا حکومت میں اس طرح سے گھس جانا وائسرائے اور حکومت برطانیہ کے وزارتی مشن کے کرتوت کا منہہ توڑ جواب تھا کیونکہ اس سے قبل حالانکہ مسلم لیگ نے عبوری دستور کی تجویزوں پر رضامندی ظاہر کردی تھی پھر بھی اسے حکومت میں آنے نہیں دیا گیا تھا۔ مگر اب مسلم لیگ ان دونوں حالات کو نا منظور کرنے کے باوجود حکومت میں داخل ہوگئی تھی۔ دوسرے یہ کہ جوگندر ناتھ منڈل ہندوؤں کی نیچ ذات سے تعلق رکھتا تھا اور اس کی نامزدگی سے یہ مطلب نکالا گیا کہ اقلیتوں کی خیرخواہ اگر کوئی جماعت ہے تو وہ صرف مسلم لیگ ہے۔ تیسرے یہ کہ اب مسلم لیگ کو اطمینان تھا کہ مسلمانوں کی اچھی طرح دیکھ بھال ہوسکے گی۔ چوتھے یہ کہ اگر آئندہ اس دستور میں کانگرس نے کوئی رد و بدل کرنے کا ارادہ کیا تو اسے روکا جاسکے گا اور پاکستان کے قیام میں کسی قسم کی رکاوٹ نہ ڈالی جاسکے گی۔ مسلم لیگ کی اس حکمت عملی نے برطانوی اور ہندوستانی سیاسی حلقوں میں ایک کھلبلی پیدا کردی اور ایک برطانوی اخبار نے تو قائد اعظم کو سیاسی جادوگر کا لقب دے دیا۔

بحث مباحثہ اور بات چیت کرنے میں قائد اعظم کا ایک خاص انداز تھا جس سے سننے والے بہت مرعوب ہوتے تھے۔

دوبارہ مذاکرات

ستمبر کے مہینے میں وائسرائے کو یہ معلوم ہوا کہ ایک پارٹی حکومت اتنی اچھی طرح کام نہیں کرسکتی جتنی کہ امید کی جاتی تھی۔ چنانچہ انہوں نے پھر قائد اعظم سے بات چیت شروع کی۔ قائد اعظم نے اس وقت بھی وائسرائے سے ملنے سے انکار نہیں کیا بلکہ وہ پنڈت نہرو سے بھی ملے۔ مگر پنڈت جی سے کوئی تصفیہ نہ ہو سکا، کیونکہ وہ بدستور سودے بازی کر رہے تھے۔ قائد اعظم نے وائسرائے کو اطلاع دی کہ جو حکومت آپ نے قائم کی ہے وہ مسلمانوں کی نظر میں بہت غلط ہے لیکن موجودہ حالات میں حکومت کی باگ ڈور کانگرس کے ہاتھوں میں

۱۹۴۶ء میں مسلم لیگ نے عبوری حکومت میں اپنے نمائندے نامزد کئے جس میں جوگندر ناتھ منڈل کو بھی شامل کیا گیا۔ یہ ایک ایسا سیاسی داؤ تھا جس سے ہندو اور انگریز دونوں قیادتیں ہکاّ بکاّ ہوگئیں۔ قائد اعظم کی سیاسی بصیرت کی سب نے داد دی۔ لندن کے ایک اخبار نے تو یہاں تک لکھا کہ قائد اعظم ایک سیاسی جادوگر ہیں۔ مرکزی قانون ساز

اسمبلی میں مسلمانوں کے نمائندوں اور مسلم لیگ کے وزرا کے ساتھ دھلی میں قائد اعظم نے ملاقات کی اسی دوران میں نمائندوں نے وہ قرار داد بھی منظور کی جس سے پاکستان کو ایک ملک کی حیثیت دی گئی۔

قائد اعظم سے ملنے کے لئے بہت لوگ جمع ہوتے تھے اور وہ بہت سوں سے ملاقات بھی کرتے تھے۔

کچھ اور واقعات

اسی زمانے میں کچھ واقعات ایسے ہوئے جن سے ظاہر ہوگیا کہ ہندوؤں اور مسلمانوں میں دوستی کی کوئی گنجائش نہیں رہ گئی۔ جواھر لال نہرو نے شمال مغربی سرحدی صوبے کا دورہ کیا اور وھاں اُن کا کالی جھنڈیوں سے استقبال ہوا۔ اس سے ظاہر ہوا کہ سرحد کے خود دار مسلمان اب ہندوؤں کی چالوں کا شکار ہونا نہیں چاہتے۔ مشرقی بنگال میں نواکھالی میں فسادات ہوئے وھاں کے واقعات کو ہندو اخباروں نے خوب اچھالا اور بہار کے ہندوؤں نے مسلمانوں پر حملے شروع کردئے۔ وھاں جو زیادتیاں مسلمانوں سے کی گئیں اور جس بے رحمی کا مظاھرہ کیا گیا اس پر خود ہندو لیڈر بھی شرمندہ ہوئے۔ ان واقعات کی بنا پر قائد اعظم نے وائسرائے سے درخواست کی کہ مجلس آئین‌ساز کی کارروائیوں کو فی‌الحال اٹھائے
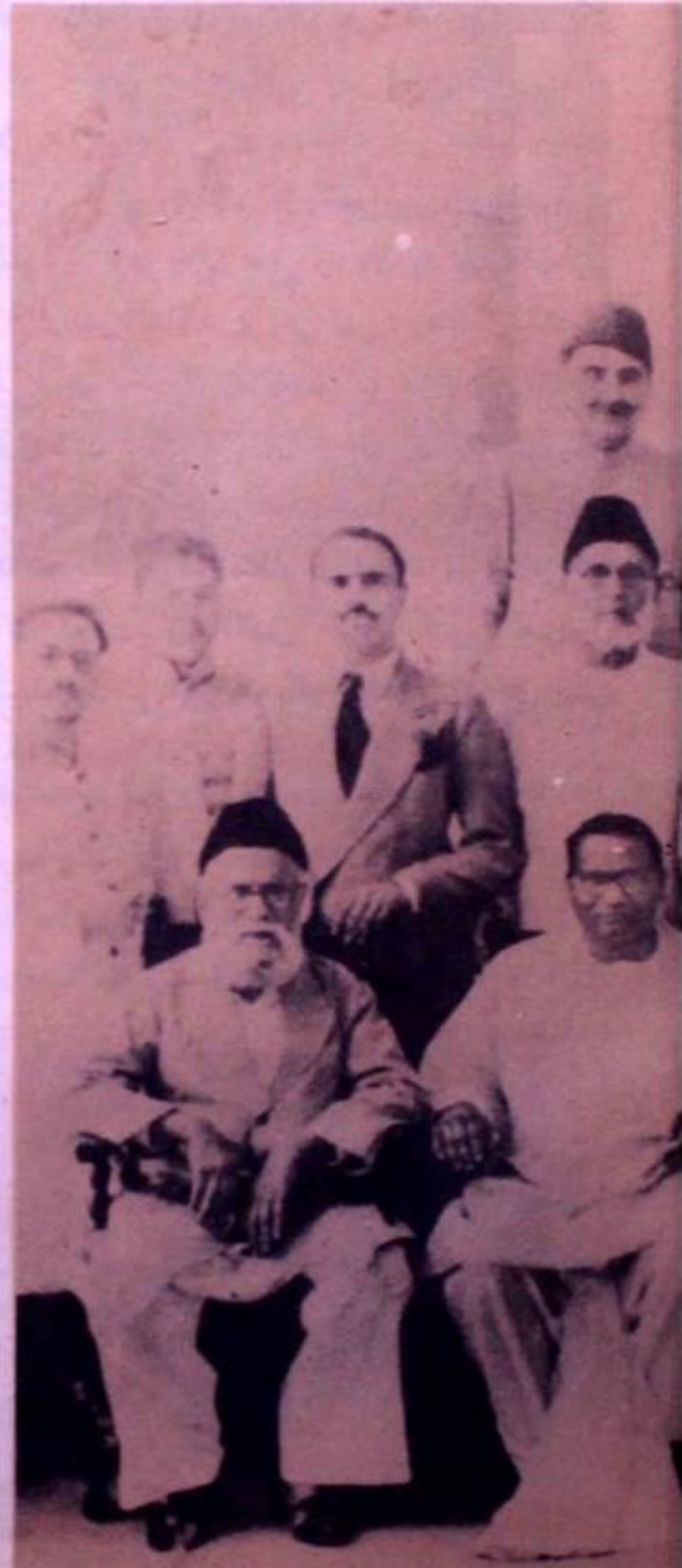
رکھیں اور تمام قوتیں امن و امان برقرار رکھنے پر لگادیں ۔ اس مجلس کی کارروائیوں میں مسلمان پہلے ہی سے شریک نہیں تھے ۔ وائسرائے نے غالباً ہندو لیڈروں سے اس بارے میں بات چیت کی ہوگی ۔ اس وجہ سے انہوں نے قائد اعظم کی درخواست کو منظور نہیں کیا ۔ ان سب باتوں کا برطانیہ پر گہرا اثر پڑا اور وہاں کی حکومت یہ سوچنے پر مجبور ہوگئی کہ برطانوی وزراء کی تجاویز کی وجہ سے ہندوؤں اور مسلمانوں میں جو کھچاؤ پیدا ہوگیا ہے اسے رفع کرنے کی ذمےداری برطانیہ ہی پر آتی ہے ۔ چنانچہ حکومت برطانیہ نے ایک کانفرنس لندن میں بلائی اور ہندوؤں ، مسلمانوں اور اقلیتوں کے لیڈروں کو اس میں شرکت کی دعوت دی ۔ دسمبر ۱۹۴۶ء مسلمانوں کا وفد لے کر قائد اعظم لندن گئے ۔ لیکن وہاں بھی ہندوؤں اور مسلمانوں میں کوئی سمجھوتہ نہ ہو سکا اور آخر کار برطانیہ کو خود ہی فیصلہ دینا پڑا اور اس سلسلے میں جو بیان برطانوی حکومت کی طرف سے شائع ہوا وہ قائد اعظم اور مسلم لیگ کے حق میں جاتا تھا ۔ لندن میں قائد اعظم نے اپنے خیالات اس قابلیت کے ساتھ پیش کئے کہ برطانیہ کے لیڈر اور باشندے ایک حد تک ان کے حق میں ہوگئے ۔ اس سے قائد اعظم کی عظمت اور بھی بڑھ گئی اور ان کی سیاست دانی اور دوراندیشی کا ڈنکا بجنے لگا ۔

قائداعظم کی مشغولیت

جب قائد اعظم لندن سے واپس آئے تو سندھ کی اسمبلی کے انتخابات ہوئے جن میں مسلم لیگ کو مکمل کامیابی ہوئی ۔ قائد اعظم نے خود یہاں رہ کر ایک مستحکم وزارت قائم کی اور ایک تعمیری پروگرام کی بنیاد رکھی ۔ اس دوران میں کانگرس نے آئین سازی کی کارروائیوں کو جاری رکھا تھا ۔ لیکن جو مباحثے اس سلسلے میں ہوئے ان سے وہ دوسری پارٹیاں بھی کانگرس سے بگڑ گئیں جنھیں یہ امید تھی کہ کانگرس واقعی ملک کی بھلائی چاہتی ہے ۔ پنجاب میں مختلف پارٹیوں نے مل کر وزارت قائم کر رکھی تھی اور مسلم لیگ سب سے بڑی پارٹی ہونے کے باوجود حزب اختلاف کے فرائض انجام دے رہی تھی ۔ وہاں کی حکومت نے مسلم لیگ کے رضاکاروں کو غیر قانونی جماعت قرار دے دیا ، جس سے وہاں کے باشندے خفا ہوگئے اور انہوں نے سول نافرمانی شروع کردی ۔ یہ تحریک اس قدر تنظیم اور احتیاط سے چلائی گئی کہ لوگوں کی آنکھیں کھل گئیں ۔ ھزاروں مسلمانوں نے اپنے آپ کو گرفتاری کے لئے پیش کیا ۔

قائد اعظم اور گاندھی ۔

لارڈ اور لیڈی ماؤنٹ بیٹن کے ساتھ۔

لارڈ ماؤنٹ بیٹن

کانگرس کی ہٹ دھرمی سے جو فضا ہندوستان میں پیدا ہوگئی تھی اس سے سب کو پریشانی تھی صوبوں میں بدامنی پھیلتی جا رہی تھی اور مرکز کے تقریباً ہر محکمے میں ہندو اور مسلمان افسروں نے ایک دوسرے پر بھروسا کرنا چھوڑ دیا تھا۔ ہندوستان کے سب اداروں میں تقسیم ہند کی فضا پیدا ہوگئی تھی۔ ادھر برطانیہ کے لئے بھی اب ہندوستان میں حکومت کرنا دوبھر ہوگیا تھا۔ اس فضا میں حکومت برطانیہ نے یہ فیصلہ کیا کہ جون ۱۹۴۸ء تک حکومت کی باگ ڈور ہندوستانیوں کے سپرد کردی جائے۔ اس کام کے لئے انھوں نے لارڈ ویول کی بجائے لارڈ ماؤنٹ بیٹن کو وائسرائے کی حیثیت سے مقرر کیا۔ اس سلسلے میں جو اعلان کیا گیا اس میں کہا گیا کہ اگر مسلم لیگ اور کانگرس میں سمجھوتہ نہ ہو سکا تو پھر حکومت برطانیہ خود فیصلہ کرے گی کہ آیا حکومت ایک ہندوستان کو یا بٹے ہوئے ہندوستان کو سونپی جائے۔

اس اعلان سے ہندوؤں میں مایوسی کی لہر دوڑ گئی، کیونکہ ان کے اس خواب کے ٹکڑے اڑ گئے جس میں انھوں نے انگریزوں سے مل کر آہستہ آہستہ ہندو راج قائم کرنے کا منصوبہ بنا رکھا تھا۔ اب ان کے لئے ہندوستان کی تقسیم کے اصول کو ماننے کے سوا اور کوئی چارہ نہ تھا۔ دوسری طرف وہ مسلمان بھی پس و پیش میں پڑ گئے جو کانگرس میں تھے یا اس سے تعاون کرتے تھے اور جن کی آنکھوں پر کانگرس کے پروپیگنڈے نے پردے ڈال رکھے تھے۔

پاکستان کا قیام

مارچ ۱۹۴۷ء میں لارڈ ماؤنٹ بیٹن ہندوستان آئے اور یہاں کے لیڈروں سے بات چیت شروع کی۔ وہ شاید جلد ہی اس نتیجے پر پہنچ گئے کہ ہندوستان کے بٹوارے ہی پر سمجھوتہ ہو سکتا ہے۔ مئی کے مہینے میں وہ لندن واپس گئے اور حکومت برطانیہ پر زور ڈالا کہ ۱۵ اگست ۱۹۴۷ء کو ہندوستان کو آزاد کر دینا چاہیئے۔ آئندہ واقعات سے ظاہر ہوا کہ انہوں نے آزادی کی تاریخ اس وجہ سے قریب کی تھی کہ پاکستان کو مضبوط حکومت قائم کرنے کا وقت نہ ملے۔ انہیں معلوم تھا کہ سکھ کافی اسلحہ جمع کر رہے ہیں اور پاکستان بنتے ہی قتل و غارت گری شروع کردی جائے گی، اور پاکستان کے لئے ہر قسم کی مشکلات پیدا کی جا سکیں گی۔ لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے خود ہندوؤں سے سازباز کر رکھی تھی۔ انہوں نے کہا تھا کہ جہاں تک ہندوستان اور پاکستان کے نظام کا تعلق ہے، دیکھنا یہ ہے کہ ایک مستقل عمارت بنائی جائے یا ایک جھونپڑی یا محض

مجلس دستور ساز کے سامنے پہلا خطاب۔

ایک چھولداری کھڑی کردی جائے ۔ پاکستان کے بارے میں انھوں نے کہا " ہم ایک چھولداری کھڑی کر رہے ہیں ۔ " یہ تھا نمونہ ماؤنٹ بیٹن کی دیانت کا ۔ ظاہر ہے کہ پاکستان کو کمزور کرنے کے لئے ہندوؤں نے حکومت برطانیہ ہی کی آڑ لی اور حکومت برطانیہ ہندوؤں کو مدد دینے سے نہیں کترائی ۔ جب ہندوستان تقسیم کر دینے کا فیصلہ ہوگیا تو ان دو مملکتوں کے گورنر جنرل کا مسئلہ اٹھا ۔ کانگرس جو اب تک اپنے آپ کو انگریزوں کا مخالف بتاتی رہی تھی ، اس نے ہندوستان کی گورنر جنرلی لارڈ ماؤنٹ بیٹن کو پیش کی ، جسے انھوں نے قبول کرلیا ۔ لارڈ ماؤنٹ بیٹن یہ چاہتے تھے کہ پاکستان کا گورنر جنرل بھی میں ہی بنوں ۔ اس کے لئے انھوں نے بہت کوشش کی ، مگر مسلمان کسی حالت میں بھی ہندوستان اور پاکستان کا مشترکہ گورنر جنرل رکھنے پر راضی نہیں تھے ۔ اس لئے پاکستان کی گورنر جنرلی کے لئے مسلمانوں نے قائد اعظم کو نامزد کیا ۔ اور انھوں نے ۱۴ اگست ۱۹۴۷ء کو اپنے اس منصب کا حلف اٹھایا ۔

اوپر اور نیچے
گورنر جنرل بننے کے بعد قائد اعظم نے سرحدوں اور قبائلی علاقوں کا دورہ کیا ۔ سب کے دلوں میں اسلام کی اہمیت، مساوات اور ہمدردی کی لہریں دوڑ گئیں اور ان کو سب نے اپنے دلوں میں محبت کے ساتھ جگہ دی ۔ سب نے محسوس کیا کہ آزادی اور غلامی میں کیا فرق ہے ۔

انگریزوں کا کردار

قائد اعظم کو انگریز قوم کی اس صفت پر بھروسا تھا کہ وہ انصاف کرنے کی عادی ہے اور انسانی اصولوں کی قدر کرتی ہے - انہوں نے یہ بات اپنی چالیس سالہ سیاسی زندگی میں بار بار دہرائی تھی - لیکن جس طرح ہندوستان کا بٹوارا کیا گیا اور مسلم اکثریت کے کئی علاقے ہندوستان کو دے دیے گئے - جو واقعات بعد میں پیش آئے اور جن سازشوں کا بعد میں پتہ چلا ان سے ظاہر ہوتا ہے کہ کبھی کبھی چند افراد کے اعمال سے پوری قوم کی عزت کو بٹہ لگ جاتا ہے - پاکستان کی تباہی کے لئے جو حربے ان لوگوں نے استعمال کئے اس کا دھبہ برطانیہ شاید صدیوں تک اپنے دامن سے نہ دھو سکے گا -

حکومت کا آغاز

گورنر جنرل کی حیثیت سے قائد اعظم پر ذمےداریوں کا بوجھ بڑھ گیا - اور پاکستان کے باشندوں کی بھلائی کی فکر بھی انہیں بڑھ گئی - اگرچہ ان کی صحت روز بروز گرتی جا رہی تھی ، پھر بھی انہوں نے محنت سے دریغ نہیں کیا - پاکستان کے پاس اس وقت کچھ بھی نہیں تھا - سرکاری ملازموں نے درختوں کے سائے تلے یا

قائد اعظم فوجی دستوں میں بھی گئے - جہاں ان کو پاکستان کے سربراہ ہونے کی حیثیت سے جانا چاہئے تھا -
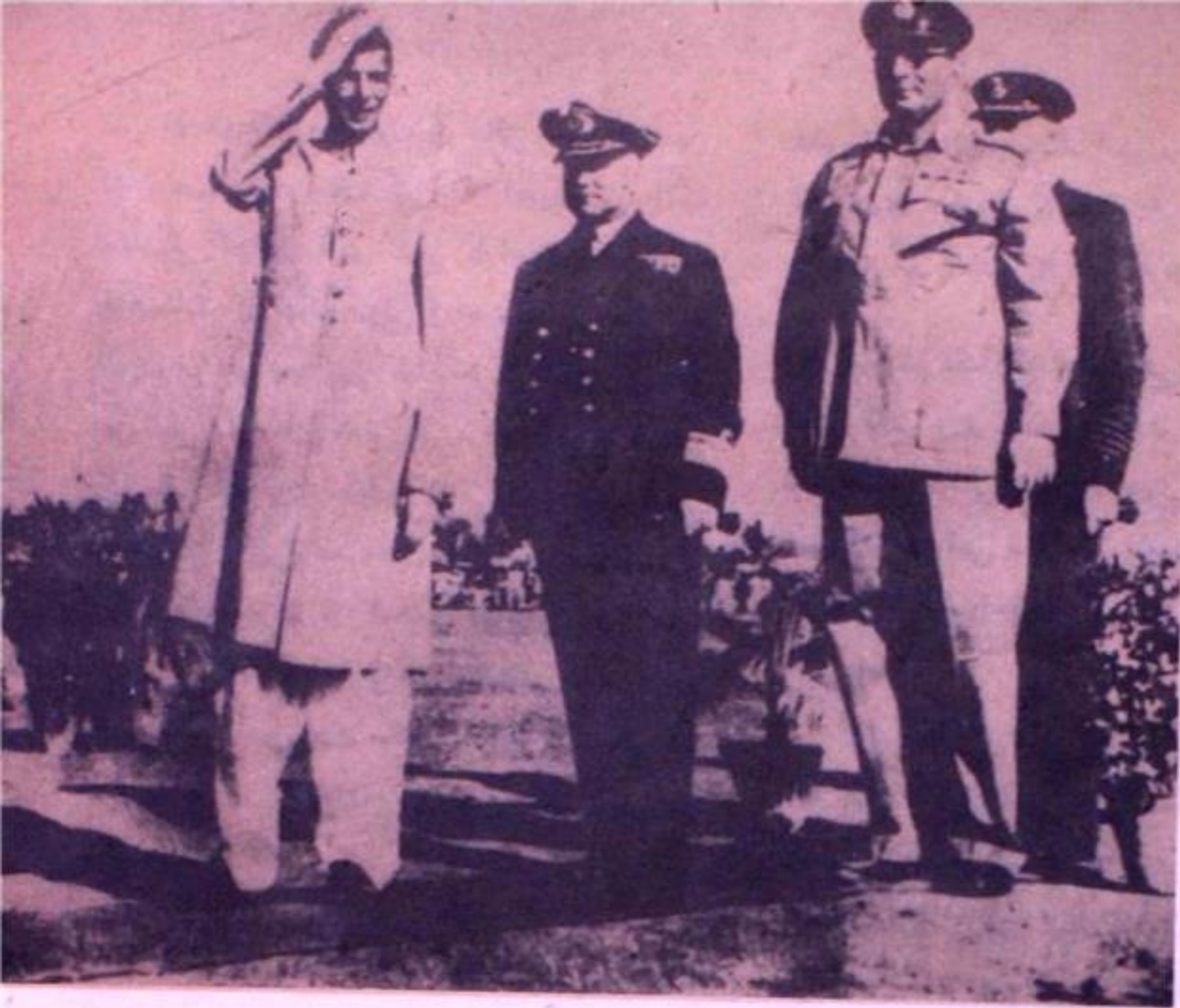
قائد اعظم کی موجودگی میں فوجیوں میں بڑی گرم جوشی پیدا ہوتی تھی -

سڑکوں کے کنارے گھر سے لائے ہوئے بستروں، چادروں اور دریوں پر اپنے اپنے دفتر قائم کئے۔ اور دفتروں کا کام چلانے کے لئے اپنے بچوں کی پنسلیں، قلم دوات اور کاپیاں استعمال کیں۔ ہندوستان کے بٹوارے کا اعلان ہوتے ہی ہندوؤں نے مسلمانوں کی قتل و غارت گری بہت بڑے پیمانے پر شروع کر دی تھی۔ پاکستان اور ہندوستان کی حدود کا اعلان ہوتے ہی ہندوستان سے بڑی تعداد میں مسلمان ہجرت کرکے پاکستان آنے لگے اور پاکستان کے ہندوؤں نے یہاں کی معیشت کو کمزور کرنے کے لئے یہاں سے بھاگنا شروع کردیا۔ ان حالات پر قابو پانا صرف قائد اعظم ہی کا کام تھا۔ انہوں نے سرحدوں کا دورہ کیا اور ہندوؤں کے ہندوستان جانے اور مسلمانوں کو پاکستان میں لانے کے انتظامات کی

خود نگرانی کی۔ آپ پاکستان کے باشندوں، حکومت کے ملازموں اور بری، بحری اور فضائی افواج کے جوانوں اور افسروں کی ہمت بڑھاتے رہے۔ انہوں نے تاجروں اور صنعت کاروں سے ملاقات کی۔ کئی اداروں کی بنیاد ڈالی۔ تعلیمی اداروں کی طرف توجہ دی۔ پاکستان کی مالی مشکلات کا حل نکالا۔ طالب علموں اور استادوں سے خطاب کیا۔ اور سرحد کے سرداروں سے ملے۔

انگریزوں کے زمانے میں قبائلی علاقوں پر فوج کے ذریعے حکومت ہوتی تھی۔ لیکن قائد اعظم نے پاکستان بنتے ہی قبائلی علاقوں سے فوج ہٹانے کا حکم دے دیا۔ جس سے ان علاقوں میں فوراً امن و امان قائم ہوگیا۔ بلوچستان کو ایک علیحدہ صوبہ بنانے کے لئے قائد اعظم نے ہمیشہ آواز اٹھائی تھی۔ لیکن آزادی کے وقت کے آئین

میں یہ صوبہ گورنر جنرل کی ذاتی ذمہ داری میں تھا۔ جب آپ وہاں گئے تو انہوں نے ایک مشاورتی کونسل قائم کرنے کا اعلان کیا تاکہ بلوچستان کو ایک صوبے کی حیثیت مل سکے یہ انہوں نے اس وجہ سے کیا کہ نئے آئین کے بننے میں ابھی دیر معلوم ہوتی تھی۔ انہوں نے پاکستان کے سکّے اور نوٹ جاری کرائے اور ایک ایسے معاشی نظام کی ترغیب دی جو مغربی ممالک کے نظام سے ہٹ کر اور اسلامی نظام پر مبنی ہو۔ انہوں نے کہا کہ مغربی طرز کا معاشی نظام ہمیں کوئی فائدہ نہیں دے سکتا اور اس کے ذریعے ہم اپنے ملک کے باشندوں کو خوش حال نہیں بنا سکتے۔

قائد اعظم نے ڈھاکہ میں پاکستان کے مقصد کی وضاحت کی اور اس کے قائم ہونے کی وجہ بیان کی۔ انہوں نے کہا پاکستان اس غرض سے قائم ہوا ہے کہ مسلمانوں کو ذات پات کی گندی روایتوں سے بچایا جاسکے۔ انہوں نے اس امر سے بھی خبردار کیا کہ ہمارے ملک میں اب بھی کچھ لوگ ایسے ہیں جنہوں نے پاکستان کو دل سے قبول نہیں کیا، اگر مسلمانوں نے اس طرف دھیان نہ دیا اور اس زہر کی کاٹ نہ کی تو اس سے ہمیں نقصان پہنچے گا۔ انہوں نے کہا کہ جہاں تک میری حکومت کا تعلق ہے وہ اس ناسور کو بے رحمی سے کچلنے سے بھی گریز نہیں کرے گی۔

آخر دم تک قائد اعظم اپنے منصب کے فرائض انجام دیتے رہے۔ ان کی صحت گرتی چلی گئی۔ قائد اعظم کراچی میں پیدا ہوئے تھے - ۱۱ ستمبر ۱۹۴۸ء کو اسی شہر میں انہوں نے وفات پائی۔ انا للہ و انا الیہ راجعون اور اسی شہر میں ان کا مزار ہے۔

قائد اعظم کی عملی زندگی سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک اکیلا آدمی بھی دنیا کے بڑے بڑے کارنامے انجام دے سکتا ہے، شرط صرف یہ ہے کہ وہ دیانتدار ہو۔ قائد اعظم کی عظیم شخصیت ہی کا یہ کرشمہ ہے کہ انہوں نے مسلمانوں کی آزادی کے لئے دو طرف جنگ لڑی یعنی ایک طرف تو انگریزوں سے اور دوسری طرف ہندوؤں سے اور آخر کار برّعظیم کے بیشتر مسلمانوں کو ہندوؤں کی غلامی سے نجات دلائی اور ان کے لئے ایک ایسا ملک پاکستان بنادیا جہاں وہ عزت و آبرو اور آزادی کے ساتھ زندہ رہ سکیں اور اپنے دین اور انصاف و مساوات کے اصولوں کے مطابق زندگی بسر کر سکیں۔

قائد اعظم کا مزار

ایک ایسے متوسط گھرانے کا بچہ جسے سیاست سے کوئی لگاؤ نہ تھا، کس طرح ملک کی سیاسی زندگی میں داخل ہوا، اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے تمام بلندیوں کو طے کرتا ہوا، محض اپنے خلوص، دیانت، محنت اور تدبّر سے پوری قوم کا قائد اعظمؒ بنا اور پاک و ہند کے مسلمانوں کے لئے آزاد وطن — پاکستان — حاصل کیا۔

قائد اعظمؒ کی ولولہ انگیز زندگی اور پُر عزم قیادت کے بارے میں بچّوں کے لئے اتنی مستند کتاب، دلچسپ اور سلیس پیرائے میں پہلی بار پیش کی جارہی ہے۔ کتاب کے مؤلف سیّد مطلوب الحسن ایک عرصہ تک قائد اعظمؒ کے پرائیوٹ سکریٹری رہے ہیں۔ اور انہوں نے قائد اعظمؒ کی شخصیت اور سیاسی سرگرمیوں کو بہت نزدیک سے دیکھا ہے۔ قائد اعظمؒ کی زندگی صرف ان کی اپنی ذات تک محدود نہیں رہی، اس میں پاک و ہند کے مسلمانوں کی آزادی کے لئے ساری جدوجہد سمٹ آئی ہے۔ دنیا کے نقشے پر ایک نیا ملک تراشنا اور وہ بھی ایک نظریئے کی بنیاد پر، موجودہ دور میں ایک معجزے سے کم نہیں — اور قائد اعظمؒ نے یہ معجزہ کر دکھایا۔ ان کی زندگی کی کہانی ہماری موجودہ اور آنے والی نسلوں کے لئے ایک مثال ہے کہ انسان جب اپنے لئے کوئی نصب العین طے کرلے اور اسے حاصل کرنے کا تہیّہ کرلے، تو پھر دنیا کی کوئی رکاوٹ اس کے راستے میں نہیں آسکتی بقول اقبالؒ۔

نگہ بلند، سخن دل نواز، جاں پُر سوز
یہی ہے رختِ سفر میرِ کارواں کے لئے

نیشنل بُک فاؤنڈیشن
کراچی — اسلام آباد — لاہور — پشاور — کوئٹہ